

الصلوة والسلام عليك يا نور الله

کابلوں یونیورسٹیوں کے طالب علموں و کلاء و حجرات علماء و دانشوروں  
اور دیگر طبقوں کے علم و تحقیق کے متلاشی حضرات و خواتین کے لئے

بے مثل کتاب

خلافت اسلامیہ

اور

مغربی جمہوریت

(مقابلہ جائزہ)

مصنف

شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور

# خلافتِ اسلامیہ مغربی جمہوریت

تالیف

شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

ناشر

عمدة البیان پبلشرز (رجسٹرڈ)

سینٹرل کمرشل مارکیٹ C/O جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور

042-8428922-0300-4826678-0300-7991693

جلد حقوق بحق محمد و آلہ بیان پبلشرز (درمزد) مخطوط ہیں

## فہرست مضامین

(پہلا حصہ)

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۱	خلافت اسلامیہ کی اہمیت، ضرورت و افادیت	۱
۱۲	خلافت قرآن و سنت کی روشنی میں	۲
۱۵	خلافت مسئلوں کی میراث	۳
۱۶	نظام خلافت کی درست	۴
۱۷	امت کا فریضہ، خلافت کا قیام	۵
۱۸	بوعبد اللہ	۶
۱۹	نظام خلافت کی برکتیں	۷
۲۰	خلافت ایک شہرانی نظام اور اس کا دستور قرآن و سنت ہے	۸
۲۱	اسلامی ریاست کا دستور اقبال کی نظر میں	۹
۲۲	صالحین	۱۰
۲۳	مشورہ کے اہل کون ہیں؟	۱۱
۲۴	اسلام کا اپنا نظام سیاست ہے اسے مغربی جمہوریت کی ضرورت نہیں	۱۲
۲۵	مغربی جمہوریت کا نظام خلافت اسلام ہے	۱۳
۲۶	حزب اختلاف کا تصور شیطانی تصور ہے	۱۴
۲۷	آزادی رائے کا مطلب	۱۵
۲۸	خلیفہ سے اختلاف کیا جاسکتا ہے	۱۶

نام کتاب : خلافت اسلامیہ اور مغربی جمہوریت

نام مصنف : شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

نظر ثانی : مولانا محمد سلیمان قادری، سید محمد عارف قادری

سن اشاعت اول : ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء

سن اشاعت بار دوم : ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء

تعداد : ۱۱۰۰

ڈیزائننگ و کمپوزنگ : محمد حسین خاور

قیمت : ۱۰۰ روپے

ناشر : محمد و آلہ بیان پبلشرز (درمزد)

ہیڈ آفس جامعہ رضویہ سنٹرل کمرشل مارکیٹ

ماڈل ٹاؤن لاہور

042-8428922

www.jamlarizviatrust.org



ب

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۷	جمہوری نظام کی خرابیاں علامہ اقبال کی نظر میں	۲۶
۱۸	سب انسانوں کی رائے اور شخصیت کو ایک درجہ میں شمار کرنا قرآن کے خلاف	۳۰
۱۹	جمہوریت چھگزیت ہے۔	۳۲
۲۰	پورے عالم اسلام کا ایک خلیفہ ہونا چاہیے	۳۵
۲۱	تمام عالم اسلام کی ایک ہی قومیت ہے۔	۳۷
۲۲	علامہ اقبال کی دعوت	۵۰
۲۳	اجماع صحابہ	۵۲
۲۴	اہل مغرب نے مسلمانوں کو تقسیم کر ڈالا۔	۵۶
۲۵	پورے عالم اسلام کے لئے ایک خلیفہ اہم کا مقرر کرنا۔	۵۷
۲۶	خلافت کی عظمت و اہمیت	۶۱
۲۷	دنیا سارے تین سال تک بغیر خلیفہ کے رہی۔	۶۲
۲۸	ہندوستان کے بادشاہوں کا اپنے آپ کو خلیفہ کے تابع کرنا۔	۶۳
۲۹	سلطان محمد غزنوی کی خلیفہ بغداد سے خط و کتابت اور اجازت طلب کرنا	۶۶
۳۰	خلیفہ بغداد کا خط بنام محمود	۶۸
۳۱	عاصم خلافت اہل تشیع کے لئے	۶۹
۳۲	خلیفہ عباسیہ کا فرمان بنیابت	۷۰
۳۳	خلیفہ عباسی کا فرمان و خلعت محمد شاہ کے نام	۷۰
۳۴	سلاطین ہندوستان خلیفہ بغداد سے سلطنت کی اجازت لیتے تھے۔	۷۰
۳۵	مغربی جمہوریت کے ثمرات	۷۱
۳۶	مغربی جمہوریت تئوارے بنیام ہے۔	۷۵

ج

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۷	مہربان اسبیل علامہ اقبال کی نظر میں	۷۵
۲۸	اقتدار حاکمین کا حق ہے۔	۷۶
۲۹	علامہ اقبال کی خدا	۷۸
۳۰	سیاست کا معنی اور اسکے اہل	۸۱
۳۱	خوار کے اہم عالم دین کو ہی سیاست کا اہم ہونا چاہیے	۸۲
۳۲	قرآن و سنت سے بے خبر سربراہ اسلام کی خدمت نہیں کر سکتا	۸۵
۳۳	اقتدار کے لئے دولت مندوں کا انتخاب یہودیت ہے۔	۸۶
۳۴	ملک کا خزانہ عوام کی ملکیت ہے۔	۸۸
۳۵	علامہ اقبال اور سربراہ دار	۹۲
۳۶	محرکیت اور اسلام	۹۳
۳۷	سلطان محمود کو خواب میں حضور کی زیارت	۹۵
۳۸	سلطان محمود غزنوی کا عدل	۹۶
۳۹	خلافت اسلامیہ کے خلف ادوار	۹۷
۴۰	اسلام میں الگ الگ ریاستوں کا کوئی تصور	۹۸
۴۱	مسلمان آپس میں بھائی اور ناک قابل تقسیم اسکا فی ہیں	۹۹
۴۲	انہوں کا بنایا ہوا دستور	۱۰۴
۴۳	خلافت کا نظام تمام مسلمانوں کے لئے ہے	۱۰۵
۴۴	خلیفہ تاحیات خلیفہ ہوگا	۱۰۸
۴۵	اہمیت عہدہ خلافت	۱۰۹
۴۶	خلیفہ کو معزول بھی جا سکتا ہے۔	۱۱۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۵۷	خلیفہ کن مقرر کرے گا	۱۱۱
۵۸	خلیفہ مقرر کرنے والوں کی اہمیت کے شرائط	۱۱۲
۵۹	خلافت کی اہمیت کے شرائط	۱۱۳
۶۰	کب غیر قریشی خلیفہ ہو سکتا ہے	۱۱۴
۶۱	ایک وقت میں متعدد خلیفے	۱۱۵
۶۲	خلافت اور اختلافات میں فرق	۱۱۶
۶۳	جبریات اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے	۱۱۹
۶۴	خلیفہ کے تقرر کا طریق کار	۱۲۲
۶۵	اسلام میں ولی عہد کا تصور	۱۲۶
۶۶	حضرت معاویہ کی دعا	۱۲۸
۶۷	شوری کی اہمیت اور اس کے انتخاب کا طریق کار	۱۳۰
۶۸	خلیفہ اور ارباب شوری کا معیار اہمیت	۱۳۲
۶۹	دعوت عام	۱۳۴
۷۰	تحریک بحالی خلافت اسلامی کی تائید کرنے والے علماء کرام	۱۳۵
	کے اہم گروہ کی مع پتہ جات	
	<b>(دوسرا حصہ)</b>	
۷۱	مغربی جمہوریت اور اس کے تحت ہونے والے الیکشنز	۱۳۹
۷۲	اسلامی ریاست کی غرض و غایت اور اس کے مقاصد	۱۴۵
۷۳	اختلاف رائے	۱۸۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۷۴	الکسس عن ہی میں	۱۸۲
۷۵	شرائط اہمیت مجلس شوری	۱۸۳
۷۶	پارٹی سسٹم اور انتخابات	۱۸۵
۷۷	ایک ایوانی مقننہ یا دو ایوانی مقننہ	۱۸۶
۷۸	شرائط اہمیت صدر	۱۸۷
۷۹	صدر کا انتخاب براہ راست یا بلا واسطہ	۱۸۸
۸۰	شرائط غائبہ نگان	۱۸۹
۸۱	شرائط رائے و ہند گان	۱۹۰
۸۲	غائبہ گان کی عمر	۱۹۱
۸۳	غائبہ گان انتخابات	۱۹۲
۸۴	انتخابی گان	۱۹۳
۸۵	کیا صدر شوری کے فیصلوں کا پابند ہوگا	۱۹۴
۸۶	صدر کا انتخاب ایک مخصوص مدت کے لئے ہوگا یا دائمیات	۱۹۵
	<b>نتیجہ</b>	

○ حال کے عمل سے ماضی کا عمل بدل سکتا ہے۔ ماضی تکفیر ہو  
تو حال کلمہ پڑھ کر مومن ہو سکتا ہے۔ حال مومن ہو جائے  
تو ماضی بھی مومن۔



## تعارف مصنف

پیر طریقت ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب تو ایسی شخصیت ہیں۔ جو کہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ لیکن میری سوچ میں جناب کی زندگی سے متعلق کچھ اہم معلومات موجود ہیں جن پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر و بیشتر عام انسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت کی بنیادی تعلیم کون سی خوش نصیب درسگاہ میں ہوئی کہ جس نے ایسے عظیم انسان تخلیق کئے۔ ہر انسان کی سب سے پہلی درسگاہ اُس کی ماں کی گود ہی ہوتی ہے۔ جتنی وہ گود مقدس و مکرم ہوگی اتنی ہی اُس کی اولاد کی تربیت اعلیٰ ہوگی آپ آج کسی بھی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یقیناً آپ کی نظر سے بڑی بڑی شخصیات کے تذکرے ضرور گذرتے ہوں گے۔ وہاں ان شخصیات کی تربیت کی پہلی بنیادی چیز اور عظیم درسگاہ 'ماں کی گود' کے ہی ثمرات ملتے ہیں جو کہ ایک عام انسان کو عظیم انسان بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت میں اُس پہلی درسگاہ کی تربیت کے ہی اثرات ہیں کہ آپ بہترین عالم دین با عمل، بہترین مفتی، بہترین مدرس، بہترین محقق و مصنف، بہترین شیخ الطریقت و شیخ الشریعہ اور بہترین شیخ الحدیث ہیں آپ کی صبح شریف میں انتہائی غری، حلم بردباری برداشت اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے آپ سابق صوبائی وزیر برائے مذہبی امور و اوقاف پنجاب اور بانی و مہتمم جامعہ رضویہ (ٹرسٹ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف اور قرآن مجید کے مترجم بھی ہیں اب جناب

پیشکش:  
ڈیوٹن جی  
مکہ ۱۳ پہل منزل  
سمیع سنٹر اردو بازار  
لاہور





حضرت صاحب کی بنیادی تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کو علم ہو جائے کہ آپ نے تعلیم و تربیت اور روحانی تربیت کہاں سے حاصل کی۔

ولادت :- آپ کے آباؤ اجداد سادات و شرفاء بخارا سے ہیں جو حضرت سید جلال الدین بخاری علیہ الرحمۃ کے ہمراہ بخاری سے کشمیر آئے پھر اوج شریف ضلع بہاولپور آکر آباد ہوئے۔ آپ کی ولادت موضع کچی لعل نزد اوج شریف تحصیل ٹکڑا، ضلع مظفر گڑھ میں بروز جمعرات مورخہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو خدا بخش علیہ الرحمۃ کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے دادا بزرگوار محمد موسیٰ علیہ الرحمۃ اور پردادا محمد جوہر علیہ الرحمۃ تھے۔

ابتدائی تعلیم :- آپ نے سب سے پہلے نانہروہ قرآن مجید اپنے پڑوسی بزرگ عالم مولانا غلام نبی خورشیدی علیہ الرحمۃ سے عرصہ تین چار ماہ میں پڑھ کر مکمل کیا۔ اس کے بعد آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول موضع بن والا میں حاصل کی اور بدل تک کی تعلیم کے لئے موضع لکس کے گورنمنٹ سکول میں داخلہ لیا وہاں سے بدل کا امتحان انتہائی اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا بعد ازاں دیگر دینی تعلیم کے لئے مخدوم حسن محمود بن غلام میراں شاہ کے گاؤں جمال الدین والی علاقہ صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں استاذ العلماء و الفصحاء حضرت علامہ حکیم غلام رسول علیہ الرحمۃ سے اکتساب فیض کیا اور ان سے آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب کے ساتھ شرح تہذیب قطبی کے اوائل شرح وقایہ اولین، اصول الشاشی، نور الانوار اور غنم طب کی میزان طب، طب اکبر و موجز وغیرہ پڑھیں۔

1958ء میں ڈیرہ غازی خان میں استاذ العلماء علامہ مولانا غلام

جہانیان صاحب سے نور الانوار، شرح جامی، مولانا عبدالغفور صاحب سے قطبی، میر قطبی، منہ جلال، حمد اللہ شرح وقایہ اخیرین، مہدی التصریح، اقلیدی، مشکوٰۃ شریف،

جلالین ہدایہ اولین، حسامی، مقامات حریری، حماسہ، مشکئی، تصوف، لوائح جامی، لوائح جامی اور مشکوٰۃ شریف پڑھیں۔

1961ء ملتان میں غزالی زماں رازی دوران حضرت علامہ سید احمد سعید

کاشمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مدرسہ انوار العلوم میں داخلہ لیا۔ استاذ العلماء جناب مولانا عبدالکریم سے تفسیرات احمدیہ پڑھی اور حضرت مفتی امجد علی خاں صاحب سے توفیق و تلوغ، مسلم الثبوت و ہدایہ اخیرین پڑھیں۔

پھر مفتی اعظم حضرت مفتی سید مسعود علی قادری سے جلالین و علم میراث پڑھا اور فتویٰ نویسی سیکھی۔ آخر میں حضرت علامہ قبلہ کاظمی شاہ صاحب سے مناظرہ و رشیدیہ، شرح عقائد، خیالی اور دورہ حدیث شریف پڑھ کر سند فراغت علم حاصل کی۔

عملی زندگی کا آغاز :- علوم و فنون اور فتویٰ نویسی کے علم سے فراغت کے بعد قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نظر عنایت و التفات نے بطور نائب مفتی آپ ہی کا انتخاب فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد ہی حکومت پاکستان نے قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو بہاولپور یونیورسٹی میں بطور پروفیسر حدیث مقرر فرمایا تو قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے جن قابل ترین تلامذہ کو بہاولپور ساتھ لے جانے کے لئے منتخب فرمایا ان میں آپ بھی شامل تھے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے بہاولپور یونیورسٹی سے

1965-1966ء میں ایم اے اسلامک لاء، یعنی متخصص فی اللہ والقانون

الاسلامی کی سند حاصل کی اور حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمان پر اپنی مادر علمی مدرسہ انوار العلوم واپس آکر استاذ الحدیث، مفتی و صدر شعبہ اوقاف کے فرائض سنبھالے۔ 1977ء میں حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم بزاروی علیہ الرحمۃ کی خواہش پر قبلہ مفتی صاحب جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیت لاہور شیخ الحدیث و شیخ الادب



العربی مقرر ہوئے اسی دوران صدر انجمن تہذیب الاسلام مین مارکیٹ گلبرگ آپ کو جامعہ مسجد غوثیہ گلبرگ لے آئے۔ جہاں عرصہ 12 سال تک جامع مسجد غوثیہ کے خطیب رہے اور یہاں جامعہ غوثیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور 1990ء تک اسی درسگاہ کے ناظم اعلیٰ و شیخ الحدیث رہے اور انتہائی خوش اسلوبی محنت خلوص اور لگن سے کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہم کنار ہوئے۔ بعد ازاں جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر نقشبندی قادری نے ماڈل ٹاؤن سوسائٹی سے چار کنال کا رقبہ حاصل کر کے قبلہ مفتی صاحب کے سپرد کیا اور ان کے پُر خلوص تعاون کے ساتھ آپ نے ماڈل ٹاؤن سنٹرل کمرشل مارکیٹ میں اپنی ذاتی دینی درسگاہ کا آغاز فرمایا جو کہ تقریباً عرصہ 17 سال سے انتہائی کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ جامعہ رضویہ ٹرسٹ سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن میں درج ذیل شعبہ جات کی انتہائی کامیابی کے ساتھ سرپرستی فرما رہے ہیں۔ یہ جامعہ رضویہ ایک ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے سینگ نرشی حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب آپ کے بڑے بیٹے ڈاکٹر احمد سعید قادری ڈپٹی مینجنگ نرشی اور جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر نیکر نری جنرل ہیں حضرت قبلہ مفتی صاحب کے دوسرے صاحبزادے جناب علامہ محمد وحید قادری جامعہ کے ناظم اعلیٰ، تعلیمات و مالیات ہیں۔ شعبہ جات: شعبہ تحفہ القرآن، شعبہ تجوید و قرأت، شعبہ درس نظامی، شعبہ کمپیوٹر لیب، شعبہ تھخص فی الفقہ و الحدیث و القانون الاسلامی اور شعبہ نشر و اشاعت شامل ہیں حضرت قبلہ مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادری کی جتنی بھی تصانیف ہوگی ان کی اشاعت کے لیے مستقلاً عمدہ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور کے نام سے ادارہ معرض وجود میں لایا گیا ہے جس کے زیر اہتمام آپ کی تمام تصانیف اشاعت

ہوگی اور وہی ادارہ آپ کی تمام مطبوعات کے حقوق کا تحفظ کرے گا۔ آپ کی تصانیف تقریباً 55 کے قریب ہیں جن میں خاص اہمیت کا حامل ترجمہ قرآن مجید، عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن ہے جو کہ اس صدی کا ایک عظیم الشان تجدیدی کارنامہ ہے جلد چھپ کر منظر عام پر آ رہا ہے۔ انشاء اللہ ایمان افروز اور تحقیقی شاہکار و تصانیف خود مطالعہ کریں اور عزیز واقارب میں تحفہ پیش کریں یہ آپ کی سعادت ہو گی اور اس سے خیر و برکت کا وافر حصہ نصیب میں آئے گا انشاء اللہ۔

## آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں!

- (1)۔ درود و سلام و شان خیر الانام ﷺ (2)۔ امکان کذب باری تعالیٰ
- (3)۔ مقام علم و علما (4)۔ شرح "الفضل الموهبہ"
- (5)۔ خلافت اسلامیہ اور مغربی جمہوریت (6)۔ معجزہ شوق القمر
- (7)۔ قاضی اور سربراہ مملکت (8)۔ بیعت کی اہمیت و ضرورت
- (9)۔ مسئلہ ایصالِ ثواب (10)۔ مسئلہ تصویر (تصویر کا جواز)
- (11)۔ ندائے یا محمد یا رسول اللہ ﷺ (12)۔ نماز سے متعلق تین اہم مسئلے
- (13)۔ پروفیسر طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ (14)۔ تفسیر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
- (15)۔ شدید فتنہ میں دی گئی حقائق کا شرعی حکم (16)۔ تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم
- (17)۔ مسئلہ صلوٰۃ و سلام قبل اذان (18)۔ اسلام میں ٹیکسوں کی شرعی حیثیت
- (19)۔ سورۃ بقرہ مجید اور سورۃ زمر و تفسیر (20)۔ حج اور قربانی
- (21)۔ عید اسلام (22)۔ نجات الہامیہ ابن الکرمین



- (23) - معرفت خداوندی (24) - پردہ کی شرعی حیثیت
- (25) - سورۃ ملک مع ترجمہ و تفسیر (26) - ذکر وسیلہ
- (27) - الشاہ احمد رضا بریلوی (28) - عالم برزخ
- (29) - مسئلہ غیب و وسیلہ (30) - الوفاائف القادرہ
- (31) - قرآن کیسے منع ہوا؟ (32) - فضائل اہل بیت
- (33) - مجموعہ حیات اولیاء (34) - عمدۃ البیان فی ترویج القرآن
- (35) - شرح جامی کا اردو ترجمہ (36) - حالات امام بخاری علیہ الرحمۃ
- (37) - مسئلہ رفع یدین (38) - جہاد اسلامی (اردو - انگلش)
- (39) - معجزات مصطفیٰ ﷺ (40) - مسائل و فضائل زکوٰۃ و صدقات (اردو - انگلش)
- (41) - افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (42) - اسلام کا قانون شہادت
- (43) - معاشیات نظام مصطفیٰ ﷺ (44) - لباس مسنون
- (45) - نیکو یا سلیکشن (46) - علماء اور حکمرانوں کے درمیان تعلق کی اہمیت
- (47) - اسلام میں دائرہ کی شرعی حیثیت (48) - ٹھکانہ
- (49) - تہذیب اسلامی فرستے اور ان کی تاریخ و مقام (50) - تین اہم مسئلے (حی علی الخائن) پر کھڑا ہونا
- (51) - تحفہ موسیٰ (52) - شہید علیہ السلام کی طاق
- (53) - آیات تعلیم (54) - تنزیل القرآن من قبلہ
- (55) - شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- (56) - (اردو - عربی)

ان درج بالا کتب کے علاوہ حضرت کا ماہانہ مجلہ ماہنامہ البر لاہور کے نام سے عرصہ ۷۷ سال مکمل اور اٹھارویں سال کا آغاز ہو چکا ہے جو کہ امت مسلمہ کے لئے بالخصوص شائع ہو رہا ہے انتہائی اہم موضوعات پر مضامین، تبصرے اور حالات حاضرہ پر اداریے اور لوگوں کے برنس کی تشہیر اس کے حسن و قدر میں اضافے کا باعث ہو رہی ہے آج ہی اخبار ہا کر یا یک اسٹار سے نام لے کر ماہنامہ البر لاہور طلب فرمائیں تاکہ آپ اپنے گھریلو ماحول کو دینی، روحانی اور اصلاحی پہلو میں خود کفیل بنائیں۔ یوں تو آپ کی ہر کتاب علم کا ایک خزانہ ہے مگر وہ کتابیں جو آپ نے کسی کے جواب میں "علمی و تحقیقی جائزہ" کے نام سے لکھیں یا کسی کی علمی و تحقیقی غلطی کی نشاندہی میں لکھیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں مثلاً "درد و سلام شان خیر الانام" جناب جسٹس تقی عثمانی دیوبندی عالم کے جواب میں لکھی گئی اور "ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کی کتاب توحید اور وجود باری تعالیٰ کا علمی و تحقیقی جائزہ" بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے آپ کی کتب ایک بحر ہے کراں ہیں دینی روحانی اصلاحی علم حق کے متلاشی ان کتب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ ۱۹۹۸ء میں آپ نے علم نحو کی مشہور کتاب الکافیہ کی عربی شرح الوافیہ پر چار جلدوں پر مشتمل عربی میں تحقیق و تخریج لکھی الکافیہ جو کہ پورے عالم اسلام کے دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی عربی زبان میں شرح فرما کر پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی (دکتورہ) کی ڈگری حاصل کی



نیز طبیبہ کالج لاہور میں چار سالہ طب کا کورس کر کے گورنمنٹ سے طبیب کی ڈگری بھی حاصل کی۔

علمی و دینی ذوق :- آپ کے علمی و دینی ذوق کا یہ حال ہے کہ اپنی آبائی زمینیں اور مکانات جو آپ کے ورثے میں آئی تھیں سب بیچ کر مدرسہ اور لائبریری پر خرچ کر دیا اور سارا دن لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ اور تدریس میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے صاحبزادوں کو بھی اسی لائن پر چلایا آپ کے بڑے صاحبزادے احمد سعید قادری ہومیوڈاکٹر اور بہترین عالم ہیں جامعہ کے وائس چانسل اور درس نظامی پڑھاتے ہیں اور دوسرے صاحبزادے علامہ محمد وحید قادری درس نظامی کے فاضل اور یونیورسٹی سے ایم۔ اے ہیں وہ بھی جامعہ کے استاذ و ناظم اعلیٰ و تعلیمات ہیں اور تیسرے صاحبزادے علامہ محمود عبید قادری درس نظامی سے فارغ و انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل ایل بی لاء اینڈ شریعہ ہیں چوتھے بیٹے محمد سجاد قادری نے ایف۔ اے کے بعد درس نظامی شروع کیا جو درس نظامی کے دوسرے سال میں زیر تعلیم ہیں اور پانچویں سب سے چھوٹے بیٹے محمد باذل قادری قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔

تفصیل غیر ملکی تبلیغی دورے :- مناظرے :- قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب مصنف کتب کثیرہ، دینی خدمات کے جذبے سے اکثر تبلیغی دورے فرماتے رہتے ہیں۔ صدر جنرل ضیاء الحق شہید کے زمانہ میں آپ نے چین کا انتخاب کیا کامیاب سرکاری دورہ کیا۔ جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی درخواست پر آپ جنوبی افریقہ کے

کئی دورے کر چکے ہیں بلکہ ۱۹۸۶ء میں جنوبی افریقہ کے دورے کے دوران (شیر کیپ ٹاؤن) مرزائیوں کے ساتھ تین دن تک مناظرہ ہوتا رہا آخر میں مرزائی لیڈر سلیمان ابراہیم لا جواب ہو کر مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا اور اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح کے کئی مناظروں میں حضرت کاظمی علیہ الرحمۃ نے آپ کو بھیجا تو ان کی دعا سے ہمیشہ آپ کامیاب و تائب رہے۔

(لیڈی سمٹھ) میں دیوبندی مولانا عبدالرزاق سے علماء دیوبند کی گستاخانہ عبارات پر مناظرہ ہوا جس پر انہوں نے اقرار کیا کہ واقعی یہ عبارات گستاخانہ و کفریہ ہیں اس مناظرہ کی بھی کیسٹ موجود ہے آپ برطانیہ کا بھی چار دفعہ تبلیغی دورے کر چکے ہیں ایک موقع پر آپ سلطان ہاؤسٹ یو۔ کے ٹھہرے ہوئے تھے کہ مرزا طاہر احمد نے (جنگ) لندن میں فتنہ نبوت کے حوالے سے ایک بیان دیا جس پر گرفت کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے اسے بھی مناظرہ کا چیلنج کیا جو کہ برطانیہ (جنگ) اخبار کی شہ سرفی سے یہ خبر شائع ہوئی جس پر مرزا طاہر احمد نے مناظرہ کر لے اور گفتگو کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح آپ متحدہ عرب امارات کئی مرتبہ تبلیغی دورے فرما چکے ہیں۔ یورپین ممالک جرمنی، ہالینڈ، انگلینڈ، سکاٹلینڈ افریقہ اور متحدہ عرب امارات کے بھی دورے کر چکے ہیں ان ممالک کے علاوہ تقریباً اکثر ممالک میں آپ کے کثیر تعداد میں مریدین ہیں علاوہ انہیں پاکستان میں بھی ارادتمندوں کا ایک وسیع حلقہ موجود ہے چونکہ کویت میں حلقہ ارادت ہے وہاں آپ مرتبہ تشریف لے گئے تو دورہ کویت کے دوران کویت کے سابق وزیر اعظم نے مدد بھی کی۔



طریقۃ علامہ سید یوسف ہاشم الرفاعی جو دین اسلام اور خصوصاً مسلک اہل سنت کی مثالی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ان کی موجودگی میں قبلہ مفتی صاحب نے عربی میں خطاب فرمایا اور اعلیٰ حضرت کے کچھ نعتیہ کلام حدائق بخشش کا بھی عربی میں ترجمہ کر کے اس کی تشریح فرمائی۔ جس پر قبلہ رفاعی صاحب بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام حدائق بخشش کا عربی ترجمہ فرمادیں۔ جو کہ مسلک حق اہل سنت کی بہت بڑی خدمت ہوگی اور اہل عرب اس سے خوب استفادہ کر سکیں گے آپ نے پاکستان میں بھی کئی مناظرے کئے جبکہ چیچہ وطنی میں ایک مشہور عیسائی پادری سعید اسج سے دن مناظرہ کیا آخر میں وہ بھی آپ کے علمی دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا اور توبہ کر کے مشرف باسلام ہو گیا جو عیسائی پادری تائب ہوا اس کا نام احمد سعید رکھا گیا آج کل وہ کراچی میں ایک مبلغ اسلام کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا ہے علاوہ ازیں موضع کبیر میں دربار شریف حضرت پناہ سے ماحقہ مسجد میں ایک قابض دیوبندی خطیب نے مناظرے کا چیلنج کیا جب حضرت مفتی صاحب علماء اہل سنت کی معیت میں وہاں پہنچے تو مذکورہ مولوی صاحب میدان سے بھاگ گئے۔ آخر میں ۱۱۳ ان بزرگوں کے اسماء گرامی جن سے آپ کو خلافت ملی ہے۔

## شریعت و طریقت کی سندیں و خلافتیں

- ۱۔ حضرت قبلہ سید احمد سعید کاظمی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ و قادریہ و نقشبندیہ و سہروردیہ کی خلافت۔
- ۲۔ استاذ العلماء و شیخ طریقت حضرت غلام جہانیاں علیہ الرحمہ (ڈیروی) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ چشتیہ معینیہ، فریدیہ کی خلافت۔
- ۳۔ مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ نوریہ کی خلافت۔
- ۴۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مظہریہ مجددیہ کی خلافت۔
- ۵۔ مفتی عرب و بحر قطب مدینہ منورہ ضیاء الامۃ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ کی و سلسلہ اشرفیہ کچھوچھو شریف و سلسلہ نبہانیہ کی اور حضرت قطب مدینہ کو حضرت سیدنا علی حسین اشرفی کچھوچھو شریف علیہ الرحمہ اور امام یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ سے ادارات خلافت حاصل تھی۔
- ۶۔ استاذ العلماء فقیہ امت حضرت مفتی محمد اعجاز ولی خاں علیہ الرحمہ (لاہوری) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ و حنفیہ (شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ) کی خلافت۔
- ۷۔ حضرت سیدنا حامد الدین بغدادی علیہ الرحمہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلافت۔



۸۔ شیخ الاسلام حضرت امام محمد بن زکریا دہلوی (مدینہ منورہ) سے علوم شریعت کے ساتھ چاروں سلسلوں کی خلافت۔

۹۔ شیخ الاسلام حضرت امام سید محمد بن سید علوی مالکی کی (مکہ مکرمہ) سے چاروں سلسلوں کے علاوہ جملہ بلاد عرب و عجم کے مشائخ کبار کے جملہ سلاسل شریفہ کی اجازت و خلافت۔

۱۰۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ (فیصل آبادی) سے خلافت۔

۱۱۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان سیدی ابوبکر کات سید احمد الوری رحمۃ اللہ علیہ  
 ابھرتے خلافت پر

۱۲۔ سلطان الفقراء والصوفیہ حضرت غلام رسول ریاض آبادی (ماتانی) خلیفہ  
حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ سے خلافت۔ یہ تمہیں آپ سے متعلق معلوماتی  
تکذبات جو کہ شبہ تحریر میں لائی گئی ہیں۔

اللہ رب العزت ایسے پاک و نیک امت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے آمین

وَعَاظُوا

میں نے جو ائمہ اہل بیان پشاور (رجسٹرڈ) لاہور



## خلافت اسلامیہ

□ کی اہمیت، ضرورت و افادیت □

**خلافت** | خلافتِ اسلام کا اپنا نظام حکومت و سیاست ہے، جسکی قیادت غیر مسلموں کا ایجا کردہ نظام حکومت و سیاست ہے۔

خلافت کی تعریف | اہم ابن خلدون مقدمہ میں لکھتے ہیں

اللہ نیابتہ عن صاحب الشریعۃ  
فی حفظ الدین وسیاسة الدنیا

یعنی خلافت، دین کی حفاظت اور دنیا  
کی سیاست میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم  
کی قائم مقامی ہے۔

فن تار سنج کے ماہر علامہ زمان امام عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن محمد باکلی تھہری



المعروف الام ابن خلدون متوفی ۸۰۰ھ رحمة اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ میں خلافت کی جو تعریف کی ہے اس میں تین اہم فوٹو خاطر ہیں ایک یہ کہ خلافت نہ تو وزارت غلطی ہے اور نہ ہی صدارت ہے بلکہ یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت قائم مقامی ہے۔ کس بات کی نیابت؟ کس بات کی قائم مقامی؟ دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست (بھلائی) کی۔ گو یا خلیفہ دراصل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب قائم مقام ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن دین کی حفاظت اور لوگوں کی بھلائی تھا اس لئے خلیفہ کا مشن بھی دین کی حفاظت اور دنیا کی بھلائی ہوگا۔ پھر یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ خلافت کی تعریف میں، حفاظت دین کو پہلے اور سیاست دنیا کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اسلامی نقطہ نظر سے دین کو دنیا سے مقدم ہی رکھا جائے گا۔

## خلافت قرآن و سنت کی روشنی میں | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

① اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاُمَمِیْنِ خَلِیْفَۃً (البقرة)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کے دیئے ہوئے نظام کو نافذ کرنے والے سربراہ کا جو منصبی لقب ہوگا وہ "خلیفہ" ہوگا یعنی نائب قائم مقام۔ پھر اگر وہ پیغمبر ہے تو وہ اللہ کا خلیفہ (نائب قائم مقام) ہوگا۔ اگر وہ پیغمبر نہیں ہے تو وہ پیغمبر کا خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ مفکر اسلام امام عبدالرحمن بن محمد بن خلدون معروف بہ نام امام ابن خلدون علیہ الرحمۃ متوفی ۸۰۰ھ اپنی مشہور کتاب "مقدمہ" میں لکھتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "خلیفۃ اللہ" کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

کُنْتُ خَلِیْفَۃَ اللّٰہِ وَلِیْکُمُ خَلِیْفَۃٌ  
رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم  
اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں لیکن میں رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔  
(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے بعد مسلمانوں کا سربراہ پیغمبر کا خلیفہ کہلائے گا، یعنی اس لئے مسلمانوں کے نظام حکومت میں یہ بنیادی تصور ہے کہ یہ نظام حکومت، خلافت اور نیابتی نظام ہے لہذا مسلمانوں کا سربراہ خلیفہ کہلائے گا اور امام بھی۔ جیسا کہ فقہاء نے خلافت کو "امامت کبریٰ" کا نام بھی دیا ہے، مسجد یا نماز کی امامت، امامت صغریٰ (چھوٹی)، امامت کہلاتی ہے اور امامت کی (اسلامی ریاست کی) سربراہی امامت کبریٰ۔ جیسا کہ امام ابن خلدون فرماتے ہیں:

اللہ نیابۃ عن صاحب الشریعۃ  
فی حفظ الدین و سیاستہ  
الدنیا بہ قسمی خلافتہ و امامتہ  
و القاضیہ بہ خلیفۃ و اماماً  
فامّا قسمیۃ اماماً فتنبیہا  
بامام الصلوٰۃ فی اتباعہ  
و الاقتداء بہ و لہذا یقال  
"الامامۃ الکبریٰ" و اما  
قسمیۃ خلیفۃ فلو کہ نہ یخلف  
التنبی صلی اللہ علیہ وسلم  
فی امتہ فیقال "خلیفۃ  
باطلاق" و خلیفۃ رسول

جو شبہ خلافت دین کی حفاظت اور  
دنیا کی سیاست میں صاحب شریعت  
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نیابت  
قائم مقامی ہے اسی لئے اس کا نام خلافت  
اور امامت رکھا جاتا ہے اور اس  
منصب پر فائز شخص کو خلیفہ اور امام کہا  
جاتا ہے۔ امام تو اس لئے کہ جیسے نماز  
کے امام کی اتباع اور پیروی ضروری ہے  
ایسے ہی خلیفہ کی بھی، اور اسی لئے خلافت  
کو امامت کبریٰ (بڑی امامت) کہا جاتا  
ہے اور اس منصب کو خلافت اس لئے  
کہتے ہیں کہ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت



اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کا قائم مقام ہے تو اسے صرف خلیفہ  
(مقدمہ ابوخلد و ن ص ۱۹۱) بھی کہا جاتا ہے اور خلیفہ رسول بھی۔

اہم حساب کی اس عبارت سے درج ذیل امور واضح ہو گئے۔

(۱) ایک یہ خلافت، صاحب شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
نیابت ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ یہ نیابت دین کی حفاظت اور بھلائی کے ساتھ دنیا کے اسلام کی  
حکمرانی کے بارے میں ہے یعنی خلیفہ کا اولین فریضہ دین کی حفاظت (حکام  
شرعیہ کا مکمل اور دائمی نفاذ) ہے اور دوسرا فریضہ دنیا کے معاملہ میں قوم  
کی راہنمائی کرنا ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ اسلام کے نظام حکومت و نظام سیاست کا نام خلافت اور امامت ہے۔

(۴) چوتھا یہ کہ اس منصب پر فائز شخص کو صدر وغیرہ کہنے کے بجائے خلیفہ اور امام  
کہا جائے گا، تاکہ خلیفہ کا لقب اسے یہ احساس دلاتا رہے کہ وہ مطلق اہتمام  
اور بے لگام حکمران نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب  
اور آپ کا قائم مقام ہے جبکہ اصل اقتدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا  
ہے جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ میں، تو نائب کا کام اپنے نفس کی مرضی یا اپنی ذاتی  
خواہش پر چلنا نہیں بلکہ اصل حبس کا یہ خلیفہ و قائم مقام ہے اس کی مرضی پر  
اس کی تعلیم کے مطابق اور اس کی ہدایات کی روشنی میں چلنا ہے اگر یہ اصل  
کی مرضی اور اصل کی ہدایات و تعلیمات کے خلاف چلے گا تو اس کا خلیفہ  
قائم مقام ضرر ہے گا ایسی صورت میں وہ اقتدار سے معزول قرار پائے گا۔  
لہذا اسے اقتدار سے تنگ ہونا پڑے گا۔

(۵) پانچواں یہ کہ خلیفہ حضور علیہ السلام کی امت میں آپ کا قائم مقام ہے،

اس لحاظ سے خلیفہ اور خلیفۃ الرسول دونوں ناموں سے یاد کیا جاسکتا ہے۔

(۶) چھٹا یہ کہ چونکہ اہم غازی کی طرح خلیفہ کی اتباع و پیروی بھی ضروری ہے لہذا اسے  
امام بھی کہہ سکتے ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت سے واضح ہوا کہ لفظ خلیفہ، اللہ تعالیٰ کا تجویز  
کردہ لفظ ہے جسے اس نے امت پر حکمرانی کرنے والی شخصیت کے منصب اقتدار  
کے لئے آسمان سے نازل کیا۔

## خلافت مسلمانوں کی میراث

اپ (حضرت آدم) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا اہم چرند ان کی اولاد میں اسے  
یہ لقب چار موروثی لقب ہے جسے ہمیں کبھی بھی نہیں چھوڑنا چاہیے کیوں کہ یہ ہمارے  
باب کی میراث ہے جو ہمارے جسد میں آئی اور یہ قیامت تک کے لئے ہمارے مقتدر  
ہونے کی اہمیت کا سربراہ اسی لقب سے یاد کیا جائیگا۔

## نظام خلافت کی وسعت

چند نچر علامہ قبل کہتے ہیں کہ

حرف "ا" جی "جاء" "تعدید"

از زمین تا آسمان تفسیر او

علامہ قبل آیت مذکورہ بالا کے حوالہ سے خلافت کی وسعت کی طرف اشارہ  
کرتے ہیں اور اس نظام خلافت کو مسلمانوں کی تقدیر (مشاورۃ الہی) قرار دے رہے  
ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ خلافت کی تفسیر و تعبیر زمین سے آسمان تک کی حکمرانی ہے  
یعنی تمام مسلمان خواہ وہ کہیں ہیں خلافت کے گھیرے میں ہیں اور آسمان کے  
بلکہ اس کے لئے دعا گو ہیں۔



② حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً  
فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ  
النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ  
الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین  
میں خلیفہ بنایا تو لوگوں میں حق کے ساتھ  
فیصلہ کریں اور اپنی خواہش کے پیچھے  
نہ چلیں کہ تجھے اللہ کے راہ سے بہکا دیگی۔

(سُورَةُ ص ۲۶)

**اُمّت کا فرضیہ خلافت کا قیام** | اس آیت بالا سے مندرجہ

ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ پیغمبر زمین پر اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔  
(۲) دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو جو منصب اقتدار عطا کیا اس کا نام "فُتُو" ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

”قَبِيْضَةُ اٰمَمٍ اَقْتَدِهٖ“ (الاصول ۹۰) اسکی رُو سے اُمّت پر فرض ہے کہ وہ  
اسی خلافتی نظام کو اختیار کریں اور کفار کے سامنے پروا ختم جمہوری نظام کو دفع  
کریں کیونکہ خلافت کے نظام کے ثمرات اُمّتِ مسلمہ کی وحدت اور فُتُوئے زمین  
پر غلبہ و قیادت ہے جبکہ جمہوری نظام نے اُمّت میں فترت و انتشار کو جنم دیا  
ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اسکی شریعت کے مطابق جو نظام حکومت  
ہے وہ خلافت ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ خلیفہ اس بات کا یا بند ہوتا ہے کہ وہ رُوئے زمین پر لوگوں  
کے درمیان اللہ تعالیٰ کے آواز سے ہونے والے حق (شرعیات) کو چھوڑ کر اپنی ذاتی خواہش

پر عمل نہیں کر سکتا۔

(۵) پانچویں یہ کہ اگر وہ ذاتی خواہش پر عمل کرے گا تو گمراہ ٹھہرے گا۔ اور گمراہ  
شخص خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب نہیں ہو سکتا۔

(۶) چھٹی یہ کہ شریعت کے مقابلہ میں خواہ کسی ایک بات میں ہی کیوں نہ ہو ذاتی  
خواہش پر عمل کرنے والا گمراہ ہے۔ اگر اس کا تعلق عمل سے ہے تو عملی گمراہی ہے  
جسکی رُو سے وہ فاسق کہلائے گا اور اگر اس کا تعلق عقیدہ یا فکر سے ہے تو وہ  
اعتقادی یا فکری گمراہی ہے جسکی رُو سے وہ بے دین یا بد مذہب کہلائے گا اور  
اہل سنت سے خارج ٹھہرے گا۔

## وَعْدَةُ الْإِمَامِ

وَعْدَ اللَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا  
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ  
كَمَا اسْتَخْلَفْنَا الَّذِينَ مِنْ  
قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ  
الَّذِي أَرَادُوا كَيْفَ لَمْ يَكُنْ  
مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي  
وَرُدُّوا شُرَكَاءَ رَبِّهِمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ  
وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ  
لَهُمُ الْعَذَابُ الشَّدِيدُ

اللہ نے وعدہ کر لیا ہے ان سے جو تم میں  
سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ انہیں  
زمین میں ضرور خلافت دے گا جیسی  
اُن سے پہلوں کو دی اور ان کے لئے  
ضرور حجاج دے گا ان کا دین جو ان کیلئے  
پسند فرمایا اور انہیں ان کے خوف کے  
بعد امن دے گا۔ میری عبادت کریں  
میرا شریک کسی چیز کو نہ ٹھہرائیں اور جو  
اس کے بعد ناشکری کریں تو وہی لوگ  
نافران ہیں۔

(سُورَةُ التَّوْبَةِ ۵۵)



**نظام خلافت کی برکتیں** | اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کئے گئے وعدہ خلافت کو پورا فرمادیا۔ انہیں خلافت بخشی، جیسا ان سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور نبی اسرائیل کو بخشی تھی۔ اور اس خلافت کے نظام کی برکت سے ان کے دین کو روکنے زمین پر جما دیا اور غالب کیا اور اس کی برکت سے ان کے تمام خوف و خطر کو بھی امن و عافیت سے بدل ڈالا۔

اس آیت مبارکہ سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نظام حکومت یا نظام سیاست، خلافت ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر بنی اسرائیل تک کو جو نظام دیا اس کا نام خلافت رکھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے لئے جس نظام کے دینے کا وعدہ فرمایا اور اس وعدہ کے مطابق انہیں جو نظام حکومت بخشا اس کا نام خلافت رکھا۔ معلوم ہوا کہ اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ نظام حکومت نظام خلافت ہی ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ باجماع انتشار و افتراق اور بیرونی خوف و خطر کا کل مسئلہ باب اسی نظام خلافت کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ آج جو ہمارے ملک میں قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ غنڈہ گردی اور بد امنی کا دور دورہ ہے۔ یہ مغربی نظام جمہوریت ہی کی پسیدہ اور ہے ملک دو ٹکڑے ہوا اور باقی ماندہ طرح طرح کے خوروں میں بکھرا ہوا ہے، یہ اسی نظام جمہوری کے کرشمے ہیں۔ ان تمام فتنوں سے ملک کو بچانے کا واحد راستہ اس مردود جمہوری نظام کو دفع کر کے اس کی جگہ اسلام کا نظام حکومت، خلافت کا قائم کرنا ہی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام  
چہرہ روشن، اندرون چشگیر سے تاریک تر

**خلافت ایک شورائی نظام اور اس کا دستور قرآن و سنت ہے**

خلافت ایک شورائی نظام ہے جس کا دستور قرآن ہے، چنانچہ علامہ ڈاکٹر محمد امجد علی محمد اپنی کتاب "الشوری فی الاسلام" میں لکھتے ہیں کہ

فالحکومیۃ الاسلامیۃ حکومۃ شورائیۃ عادلۃ دستوراً  
المقرآن رکھا دیل المصطفیٰ و سنتہ ولیست الحکومۃ الامویۃ  
والعباسیۃ دلیلاً علیہا۔  
(الشوری فی الاسلام ص ۹)

حکومت اسلامیہ ایک شورائی عادلہ حکومت ہے۔ جس کی دستور قرآن اور اس کے رہنما حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سنت ہے اور اموی اور عباسی حکومتیں اس کی رہنمائی نہیں ہیں۔

**اسلامی ریاست کا دستور اقبال کی نظر میں**

ملاحظہ فرمائیے کہ

حاصل آئین و دستور و موث  
ہندو حق مرد آزادی است و بس  
حق خود میں خاقل از یہود و خیر  
وحی حق بیندہ سود ہمہ  
تو ہے دانی کہ آئین تو چیست

وہ خدایاں فریبہ دو ہتھال چودوک  
کھٹ آئینش خدا داد است و بس  
سود خود بیندہ ہیندہ و خیر  
در گاہش سود و یہود ہمہ  
زیر گردوں سر تمکین تو چیست



آں کتاب زندہ قسطن حکیم : حکمت اور لازوال است و تدبیر  
یعنی دستورِ مومن اسکا اور مغربی جمہوریت جو اصل میں مہویت کی ایک شکل ہے  
کا حامل یہ ہے کہ بجائے رادو گاؤں کے سردار ملک کی دولت پر قابض  
ہو جاتے ہیں اور مزدور و کسان چرخے کے تھکے کی طرح ہوتے  
ہیں یہی محنت مزدور و کسان کرتے ہیں اور دولت پر وڈیرے  
قابض ہوتے ہیں ، مزدور و کسان بچارے ان کی مفادات کی نگ  
میں جلتے بہتے ہیں ۔ بندہ حق لوگوں کے ( نام نہاد اسمبلی کے ) خود ساختہ  
آئین سے آزاد ہوتا ہے ۔ اس کا ملک اور آئین اللہ کا دیا ہوا قرآن ہے  
ہے ۔ گوگرد کا بنایا ہوا آئین جو عقل خود ہیں ہے ۔ دوسروں کے ( عوام )  
مفادات سے بے خبر ہے اسکے بنائے والے اپنے مفادات کا  
تحفظ کرتے ہیں :

لیکن اسکے مقابلے میں خلافتِ اسلامیہ کا آئین جو اللہ کا رکھی ہے وہ سب  
کے مفادات کا برابر خیال رکھتا ہے ۔ اسکی نگاہ میں سب کے مفادات و ضروریات  
برابر ہیں کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا آئین کیا ہے ؟ آسمان کے نیچے تمہارے استحکام کا  
راز کیا ہے ؟ تمہارا آئین زندہ کتاب قرآن حکیم ہے ، اسکی حکمت لازوال اور  
تدبیر ہے ۔

اسکی تائید آیتِ کریمہ " فَإِنْ تَنَادَرْتُمْ فَرَخْتُمْ فَرَّخْتُمْ فَرَّخْتُمْ فَرَّخْتُمْ فَرَّخْتُمْ "   
" کہ جب تم میں کچھ چیز کے بارے میں اختلاف ہو تو اسے اللہ اور اسکے رسول  
قرآن و سنت کی طرف لٹاؤ " یعنی قرآن و سنت ہی تمہارا دستور و آئین ہے  
اسکے ذریعے آپس کے اختلافات دُور کرو ۔  
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" تَوَكَّلْ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابُ اللَّهِ وَنَبِيِّهِ "   
" کہ میں تمہیں کتاب اللہ اور اپنی سنت جیسا عظیم ہشتان دستور و  
آئین دے کر جا رہا ہوں جب تک تم انہیں نہاں نہ رہو گے میرے  
بعد گمراہ نہ ہو گے " :

اور یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے قلم و دوات کا فہ  
طلب فرمایا کہ کچھ لکھیں ، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے ۔  
اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے اور مزید کچھ لکھ نہ دیا ۔ جب صحابہ کو ام نے قرآن  
کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مزید لکھوانے کی ضرورت محسوس نہ کی تو ہمیں قرآن کے  
بعد لوگوں کے بنائے ہوئے آئین کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے ۔ انیسویں صدی کے مسلمانوں  
نے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے آئین کو ترک کر کے خود ساختہ  
آئین کو مقدس آئین کا درجہ دے دیا ۔ اس پر علامہ اقبالؒ کی رُوحِ تربی اٹھی چنانچہ  
وہ فرماتے ہیں :

کون تارک ہے آئینِ رسولِ مختار ؟  
صلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا شعار ؟  
( کلیاتِ اقبال ۲۰۲ )

**صالحین** " خلیفہ نظامِ مملکت کو صالحین کے مشورہ سے چلاتا ہے اور  
صالحین وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عائد کردہ  
و مقرر کردہ فرائض اور واجبات کے پابند اور اللہ اور رسول کی طرف سے حرام  
کردہ چیزوں سے پرہیز کرنے والے ہوں ۔  
چنانچہ قرآن حکیم میں ہے :



”أَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ“ کہ ان کا کام ان کے آپس کے مشورہ سے ہے۔  
(الشوری: ۳۸)

### مشورہ کچھ اہل کون ہیں؟

۱۔ یہ سوال کہ مشورہ کے اہل کون لوگ ہیں؟ مغربی جہودی نظام میں مشورہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے، اس لئے اسمیں مشیرین کی اہلیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ چنے چاہے مشیر بنالیا نہ اسمیں سرور کی شرط ہے نہ عہدت کی، یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ اسلام کے نام لیا لوگوں کا اقتدار ہے مگر چونکہ ان کا اقتدار مغربی نظام کی پسندوار ہے اسلئے اسلام کا دم بھرنے کے باوجود چارے اور باسب اقتدار نے عورتوں کو بھی اپنا مشیر بنایا ہوا ہے جبکہ اسلام کے نظام حکومت و سیاست میں نہ صرف یہ کہ عورتوں کو مشیر بنانا منع ہے بلکہ ہر مرد کو بھی مشیر نہیں بنایا جاسکتا ہے اسلام کے نظام حکومت و سیاست میں اسلام کے خلاف فتی نظام میں مشیر کے لئے شرط ہے کہ وہ مرد ہو، صاحب ہو، عابد ہو، اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ عبادات و فرائض و واجبات کا پابند ہو قرآن و سنت کا علم رکھنے والا ہو۔ چنانچہ تفسیر و تفسیر میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ آپ کے بعد اگر میں کوئی ایسا مسند درپیش چوں میں قرآن کا کوئی فرمان نازل نہ ہوا تو اور آپ سے بھی اسکے بارے میں کوئی فرمان نہ سنا ہوتا تو میں کیا کرنا ہوگا؟ فرمایا کہ اجمعوا لہ العابد مؤمنی و ائمتی و اجماعہ بینکم شوری و لا تقضوہ برأی احد۔ اس کے لئے میری ائمت کے عبادت گزاروں و اعلیٰ دین کو اکٹھا کر لینا اور اس کے بارے میں آپس میں مشورہ کرنا اور کسی ایک کی رائے سے اس کا فیصلہ کرنا۔

اس میں لفظ ”العابد“ بتا رہا ہے کہ مشورہ کے اہل صرف وہ لوگ ہیں جو صالحین ہوں، عبادت گزار ہوں، شریعت کے پابند ہوں، عابد سے جاہل عبارت گزار مراد نہیں بلکہ اس سے علما و دین عبارت گزار مراد ہیں جو کتاب و سنت کی روشنی میں عبادت کے طور طریقوں، عبادت کے فرائض و واجبات و آداب سے واقف ہیں کیونکہ جاہل عبارت گزار کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس کی مثال گدھر چک ہے کہ گدھے کی سی ہے جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے اور وہ چلتا رہتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ وہ سفر کر رہا ہے اور کئی منزلیں طے کر چکا ہے لیکن جب اس کی آنکھوں سے پٹی کھلتی ہے تو وہ اپنے آپ کو وہاں پاتا ہے جہاں پہلے تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

بے علم کی عبادت:

المتعبد بغیر فقد کالحمار فی الطاحون (مقال الوقت ص ۱)  
توجہ: ”بغیر علم فقہ جانے عبادت کرنے والا چکی کے گدھے کی طرح ہے“

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا خیر فی عبادۃ لا علم فیہا ”یعنی علم دین کے بغیر عبادت میں (علیہ الاولیاء ص ۱۷)  
کوئی بھلائی نہیں“

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے جس کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں کامیاب ہے۔



موجودہ حکومتوں کی ناکامی کی بنیادی وجہ :

موجودہ حکومتیں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اہم فرمان کی پابندی نہیں کرتیں اور نااہل لوگوں کو مشیر کے درجہ پر فائز کرتی ہیں اس لئے ناکام ہو جاتی ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

استرشدوا العاقل من امتی ترشدوا ولا تعصوا

فقتلوا۔ (در نشر جلد ۱ ص ۱۸)

”میری امت کے عقلمندوں (علماء و فقہاء) سے مشورہ لینا کامیاب ہو جاؤ گے، عالم دین کی رائے کے خلاف نہ کرنا ورنہ پشیمان ہو جاؤ گے۔“

اس حدیث میں لفظ ”العاقل“ آیا ہے اس سے بھی علماء مراد ہیں چنانچہ قرآن کریم میں ہے :

وَمَا يَعْزُبُ عَنَّا آلَةَ الْعَالِمِينَ - کہ اس کی علماء ہی عقل رکھتے ہیں۔

(العنکبوت ص ۳۵)

عقلمند کون؟

معلوم ہوا کہ قرآن کے معارف میں عاقل علماء ہی ہیں۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہمیں کوئی مشکل پیش آئے تو علماء سے ہی مشورہ لینا کامیاب ہو جاؤ گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ :

من أحل حلال الله وحرم حرامه يسمن عاقلاً

(حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۱۸)

”جو شخص اللہ کے حلال کئے ہوئے کو حلال جانے اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام جانے اُس کا نام عاقل رکھا جائے گا۔“

اور ظاہر ہے کہ اللہ کے حلال کئے ہوئے اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حلال و حرام وہی جانے گا جسے اللہ کے حلال و حرام کا علم ہوگا لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت (یعنی حدیث) کا علم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقلمند صرف علماء دین ہی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں کوئی کتنا ہی پڑھا لکھا کہلاتا ہو عقلمند نہیں ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن علی القفلی متوفی ۳۳۵ھ اپنی کتاب ”تہذیب السیاسة“ میں جو اسلام کے نظام سیاست پر عمدہ کتاب ہے لکھتے ہیں :

من حق العاقل ان يضيف الى رأيه رأى العلماء والى

عقله عقول الحكماء ويديج الاستشارة۔ (ص ۱۸۳)

”عقلمند کے لئے ضروری ہے کہ وہ درپیش مسائل میں علماء سے

مشورہ لے اور ان کی رائے پر عمل کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو اس

کی مشکلات حل ہوں گی اور پریشانیاں دور ہوں گی۔“

علامہ ڈاکٹر محمد امجدی ”النشور فی الاسلام“ میں لکھتے ہیں کہ :

شرائط اصل النشور هي العدالة والعلم والعلماء المقصود

الاصلي۔ (ص ۳۳ ص ۳۴)

”یعنی نشور یعنی (مشیر) کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو اور عالم ہو

اور علم تو مقصود اصل ہے۔“



## علم صرف شریعت کا علم ہے

اور علم سے مراد شریعت کا ہی علم ہے۔ انگریزی زبان یا چینی زبان جتنے یا انگریزی قوانین کے جاننے یا انجینئرنگ یا ڈاکٹری کے جاننے یا سائنس جتنے کا نام علم نہیں ہے، کیونکہ یہ علوم نہیں فنون ہیں۔ جس علم سے انسان کو صاحب علم یا عالم کہا جائے گا وہ صرف شریعت کا ہی علم ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

(۱) "العلماء ورثة الانبياء"

"علماء نبیوں کے وارث ہیں جنہوں نے پیغمبروں سے علم کی وراثت پائی۔" (صحیح بخاری جلد ۵ ص ۱۷)

ایک اور حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

(۲) اکرموا العلماء فانهم ورثة الانبياء فمن اكرمهم فقد اكرم الله ورسوله (جامع صغیر امام سیوطی علیہ الرحمۃ جلد ۵ ص ۱۷)

"علماء دین کی تعظیم کرو۔ پس بلاشبہ علماء دین نبیوں کے وارث ہیں تو جس نے علماء دین کی تعظیم کی یقیناً اس نے اللہ اور اس کے رسول کی تعظیم کی۔"

ایک حدیث میں ہے:

(۳) ليس مني الا عالم او "دین کا عالم اور متعلم ہی مجھے متعلق۔" (جامع صغیر جلد ۵ ص ۱۷)

اس کی شرح میں امام عبد الرؤوف علیہ الرحمۃ فیض القدير شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ای یس بمقتد بالاعلماء العلم الشرعی النافع او متعلم

لذلك وما سواهما فغير متصل بی۔ (فیض القدير جلد ۵ ص ۱۷)

"کہ میرے ساتھ متصل (یعنی ملا ہوا کہ جس کا مجھ سے براہ راست تعلق ہے وہ) آخرت میں نفع دینے والے علم شریعت کا عالم ہے اور اس علم کا سیکھنے والا اور ان دو کے علاوہ دوسرے لوگوں کا مجھ سے اتصال (براہ راست) تعلق نہیں۔"

برادران اسلام! اس حدیث سے علماء کرام اور طالبین علم دین کی عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح طور پر فرما رہے ہیں کہ میرے ساتھ براہ راست علماء دین کا ہی تعلق ہے یا ان لوگوں کا جو علم دین سیکھ رہے ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو "سنن دارمی" کے حوالہ سے مشکوٰۃ کے کتاب العلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی مسجد میں دو گروہوں سے گزر ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ ایک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس گروہ کے لوگ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں اور اس سے دعا ہے کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ان کو عطا کرے اور نہ چاہے تو نہ دے۔ اور یہ دوسرے گروہ کے لوگ، (اس کے بعد حدیث کے الفاظ یوں ہیں)

فیتعلمون الفقه او العلم ویعلمون الجہال فہم افضل

وانما بعثت معلما ثم جلس فیہم۔

"تو شریعت کا علم یا (فرمایا دین کا) علم سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو عالم



بنانے میں مشغول ہیں پس یہ لوگ افضل ہیں اور مجھے علم سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے یہ فرما کر آپ انہی علم سیکھنے سکھانے والوں میں تشریف فرما ہو گئے؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علماء دین جو علم سکھانے میں مصروف ہیں عبادت گزار صالحین سے افضل ہیں اور یہ کہ علم دین کو پھیلانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن ہے اور یہ کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانا ہو وہ آپ کو ان صحیح العقیدہ علماء (اہلسنت) میں پائے گا جو قرآن و سنت اور فقہ کی تعلیم و تدریس میں مصروف عمل ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ علماء دین اور دین کے طالب علم ہی براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھتے ہیں اور ملے ہوئے ہیں۔ اس لئے علماء دین کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبیوں کا وارث ٹھہرایا اور ظاہر ہے کہ انبیاء سے شریعت اور دین کا ہی علم ملتا ہے، وہ دوسرے فنون نہیں سکھاتے۔ جبکہ اس حدیث کی شرح میں امام محمد بن یوسف الکنانی علیہ الرحمۃ متوفی ۲۵۶ھ "الکواکب الدارسی فی شرح صحیح البخاری" میں اسی حدیث صحیح بخاری کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ليس العلم المعتمد الا ما اخذ من الانبياء وورثتهم  
على سبيل التعلم والتعليم ففهم منه ان العلم لا يطلق  
الا على علم الشريعة لهذا الواضی رجل للعلماء لا يعرف  
الا على اصحاب الحديث والتفسير والفقه -

"یعنی جسے علم کہا جائے یہ وہ علم ہے جو انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا اور اور ان کے وارثین علماء دین سے پڑھنے اور پڑھانے کے طریقے پر حاصل کیا گیا۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ علم صرف شریعت کا علم ہے

اور اسی لئے یہ مسئلہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کا مال علماء پر خرچ کیا جائے تو اس کا مال حدیث و تفسیر و فقہ کے علوم رکھنے والوں پر ہی خرچ کیا جائے گا کسی اور پر نہیں۔

الکواکب الدارسی فی شرح صحیح البخاری جلد ۱ ص ۳۱۰

لہذا اسلامی حکومت کا سربراہ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے علوم رکھنے والے علماء دین ہی اپنا مشیر بنائے گا اور شیروں کے لئے جس علمی صلاحیت کی شرط ہے اس سے قرآن و سنت اور فقہ کا ہی علم مراد ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ علماء دین ہی ہیں جن سے مشورہ لیا جائے اور انہی کے مشوروں پر عمل کیا جائے تو حکومت عدیم النظر کامیابی سے چمکنا ہوگی اور جو کام بھی علماء حق کے مشوروں سے کریں گے وہ کام درست ہوگا ورنہ غلط۔ خلافت مشورہ سے ہی ہے۔

سیہ نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لا خلافة الا عن مشورة خلافت یا ہمی مشورہ سے ہی ہے

کنز العمال جلد ۵ ص ۶۳

یعنی خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجلس شوریٰ سے مشورہ کرے، خلافت آمریت (ڈکٹیٹر شپ) نہیں ہے جو لوگ خلافت کو بدنام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت آمریت (ڈکٹیٹر شپ) کا نام ہے وہ اسلام کے نظام خلافت سے بے خبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس نے مسلمانوں کو خلافت جیسا مقدس نظام حکومت دیا ہے خود فرما رہا ہے کہ مسلمانوں کا کام آپس کے مشورہ سے ہی ہے۔ لہذا یہ کہہنا کہ خلافت آمریت ہے اسلام کے نظام حکومت (خلافت) سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔



اسلام کا اپنا نظام سیاست اسے مغربی جمہوریت کی ضرورت نہیں  
 بلاشبہ اسلام کا اپنا نظام حکومت و نظام سیاست ہے اسے مغرب کے  
 جمہوری نظام کی ہرگز حاجت نہیں ہے۔ ہم اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں بلکہ ہر  
 مسلمان کو اس پر یقین رکھنا چاہئے کہ اسلام ایک ہمگیر نظام ہے اس کا تمام نظام  
 اپنا ہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 کی سنت اور آپ کے خلفاء راشدین کی تعلیمات اور امت مسلمہ کے ائمہ دین و  
 مجتہدین کی علمی تحقیقات و تشریحات کی شکل میں ہمارے پاس اپنی اصل شکل میں موجود  
 ہے جو ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ  
 اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ۚ اَلَا اَنَّكُمْ تَقَارَوْنَ  
 وَانْتُمُتُمْ عَلٰیكُمْ نِعْمَتِيْ ۚ مَّكْمَلُ كَرِّمٍ ۚ اَلَا اَنَّكُمْ  
 رَضِيتُمْ لَكُمْ اِلٰهًا مَّذٰبِنًا ۚ پوری کر دی اور تمہارے لئے  
 (المائدہ ۳۱) اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا

جب ہمارا دین مکمل ہے اور یقیناً باریب ہر لحاظ سے مکمل ہے تو پھر ہم اپنے  
 ملک میں اپنے معاشرہ میں اور اپنی علی زندگی میں خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی  
 مذہبی ہو یا سیاسی، اسی نظام کو ان مقدس ہستیوں کی پیروی میں اور ان کے حوالہ  
 سے کیوں نہ نافذ کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واضح طور پر ارشاد ہے :  
 وَ الَّذِيْنَ تَخْلَعُ اَلْمِثَاقُ عَلٰی الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۚ

(سورہ نفع)

”اور وہ لوگ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ  
 ہیں (آپ کے صحابہ) وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں“

اور جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جو میرے  
 بعد زندہ رہا وہ عنقریب امت میں بہت اختلاف دیکھے گا۔ اس وقت :  
 عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمُهَدِّيْنَ  
 تَمَسَّكُوا بِهَا وَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ اِيَّاكُمْ وَ لِحَدَّثَاتِ  
 الْاُمُور - (مشکوٰۃ شریف)

”تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین جو ہدایت کے سرچشمہ ہیں،  
 کی سنت کو اختیار کرنا لازم ہو گا۔ میری اور میرے خلفاء راشدین  
 مہدیین کی سنتوں کو (طریقوں کو) ڈاڑھوں سے مضبوطی سے پکڑ لینا  
 اور نئے طریقوں سے بچنا“

ایک حدیث میں فرمایا کہ ہر نیا طریقہ (جو میرے خلفاء راشدین مہدیین کے  
 طریقوں کے خلاف ہے) وہ گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔ یعنی اس  
 کا پیر و کار دوزخ میں جائے گا۔

مغربی جمہوری نظام خلافت اسلام ہے :

یہ نام نہاد جمہوری نظام جو مغرب کی پیداوار ہے قطعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وآلہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین کے طریقہ حکومت و نظام سیاست کے  
 خلاف ہے لہذا یہ بدعت قبیحہ ہے اور اس کے اختیار کرنے والے اور اس کو  
 نافذ کرنے والے اپنا انجام دیکھ لیں، دنیا میں ہی دیکھ رہے ہیں کہ ملک کی  
 سیاست حزب اقتدار اور حزب اختلاف دو دھڑوں میں تقسیم ہو جاتی ہے جو  
 ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی امن و سکون سے  
 حکومت نہیں کر سکتا۔ ہمارے ملک میں دیکھ لیجئے اس مغربی جمہوری نظام نے جس  
 کیادیا۔ ملک دو ٹکڑے ہوا۔ صوبائیں عصبيت عروج کو پہنچی ہے۔ لسانی نقتے



ترقی پذیر ہیں۔ اسمبلیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ جو کوئی جسے چاہیں اغوا کر لیں، قتل کر دیں۔ امیر امیر تراور غریب غریب تر، علم رخصت ہوا۔ اور پوری قوم کھلاڑیوں اور فحش اداکاروں کی پرستار ہو چکی ہے اور خود حکمران بھی علم و ہنر کے بجائے کھلاڑیوں اور فحش اداکاروں کے گرد ویدہ نظر آتے ہیں۔

وائے ناکامی مستعار کارواں جانا رہا

سکارواں کے دل سے احساسِ نیاں جانا رہا

حزب اختلاف حزب ابلیس ہے :

مغرب کے جمہوری نظام میں حزب اختلاف کا وجود ضروری ہے، اس جمہوری نظام کو حزب اختلاف کے بغیر نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ مغربی طاقتیں حزب اقتدار کو اپنے ظالمانہ پھنوں میں جکڑنے کے لئے اور اس سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے اور اسے اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے ہمیشہ حزب اختلاف کو اکساتی ہیں۔ اسے دانہ پانی ڈالتیں اور طاقتور رکھتی ہیں اور اس کی پشت پناہی کرتی ہیں تاکہ اگر حزب اقتدار ان کے اشاروں پر نہ ناپے تو حزب اختلاف کے ذریعے اس کا تختہ الٹ دیا جائے جس کے نتیجے میں حزب اقتدار مغربی طاقتوں کے اشاروں پر چلتی ہے تاکہ اس کا اقتدار تادمیر قائم رہے۔ لہذا حزب اقتدار خدا و رسول کی مرضی پر چلنے اور اسلام کو نافذ کرنے کی بجائے اپنے مغربی آقاؤں اور خصم صلا امریکہ کے پیچھے چلتی ہے اور یوں سارا ملک مغرب کا اور غیر مسلم طاقتوں کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں :-

یورپ کی غلامی پر رہنا مند ہو اٹو مجھ کو تو گرجے سے ہے یورپ نہیں

شوری خلیفہ کو معزول کر سکتا ہے :

اسلام کے نظامِ خلافت میں خلیفہ مطلق العنان نہیں ہوتا بلکہ وہ شوری کے

زیر سایہ ہوتا ہے وہ شوری حزب اختلاف نہیں حزب معاون اور خلیفہ کو راہِ راست پر رکھنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ کیونکہ اسلام میں حزب اختلاف کا کوئی تصور نہیں بلکہ اسلام کا نظام حکومت شوری نظام ہے اس میں شوری کو یہ اختیار ہے کہ اگر سربراہ درست نہ چلے تو شوری اسے معزول کر سکتی ہے۔ کتابوں میں ہے کہ شوری خلیفہ کو بلاوجہ شرعی معزول نہیں کر سکتی۔ ہاں جب خلیفہ کا حال خراب ہو جائے تو کر سکتی ہے۔ چنانچہ سیاست اسلامیہ کے عظیم مفکر امام ابو الحسن الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۵۴۸ھ "احکام سلطانیہ" میں فرماتے ہیں کہ :

لہذا یکن لا ھل الاختیار عزل من یا یعول اذا لم یتخیر

بحالہ۔ (الاحکام السلطانیہ ص ۱۰)

یعنی خلیفہ کا اگر حال متخیر ہو جائے جس کی وجہ سے وہ خلیفہ کے منصب کا اہل نہ رہے تو شوری اسے معزول کر سکتی ہے۔

اور فتاویٰ شامی میں ہے :

ان للامۃ خلق الائمة وعزلہ بسبب یوجبہ مثل ان

یوجد فیہ ما یوجب اختلال احوال المسلمین وانکسار

امور الدین کما کان لہم نصبہ واقامتہ۔

(فتاویٰ شامی ج ۳ ص ۳۴)

بلاشبہ امت (کے اہل حل و عقد) کو کس ایسے سبب سے جو خلیفہ کی معزولی کو ضروری قرار دیتا ہو خلیفہ کو معزول کرنے کا حق ہے مثلاً اس کے عہد میں مسلمانوں کے حالات میں خلل پڑ رہا ہو، دین کے امور کمزور ہو رہے ہوں جیسا کہ انہیں اسے خلیفہ مقرر کرنے کا حق ہے (اسی طرح اسے معزول کرنے کا بھی ان کو حق ہے)۔



### حزب اختلاف کا تصور شیطان کا تصور ہے:

لہذا نظام خلافت چونکہ نیابتی نظام ہے۔ یعنی اس نظام کا چلانے والا حکمران جسے خلیفہ کہا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب قائم مقام تصور ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں حزب اختلاف کا تصور گمراہی ہے۔ ہاں تعمیری و اصلاحی انداز سے تنقید کی مکمل اجازت ہے۔ چنانچہ ایک عام آدمی نے قبضے کے معاملہ میں اور ایک عورت نے حق مہر کے معاملہ میں حضرت عمرؓ پر تنقید کی تھی اس لئے اس میں حزب اختلاف کا تصور نہیں، یہ ابلیسی تصور ہے۔ چنانچہ خلافت کی بحث کرتے ہوئے کہ خلیفہ قریش میں سے ہوگا۔ امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیشی علیہ الرحمۃ متوفی ۸۰۰ھ مجمع الزوائد و منبع الفوائد میں امام طبرانی کی معجم کبیر و معجم اوسط کے حوالہ سے ایک حدیث شریف نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

قریش اهل الله فاذا خالفتها قبيلة من العرب صاروا

حزب ابليس۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۵)

قریش اللہ والے ہیں تو عرب کے کسی قبیلہ کے لوگ اس کی مخالفت کریں گے تو وہ حزب شیطان قرار پائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس کی پوری بحث آگے آ رہی ہے یعنی سب سے پہلے خلافت قریش میں ہوگی۔ قریش ہی اللہ والے ہوئے۔ یعنی قریش سے ہی دین اسلام کا آغاز ہوا، انہوں نے اپنی جانیں قربان کیں، اپنے مال قربان کئے، اپنا کنبہ تک قربان کر دیا، دین کے لئے وطن چھوڑا، بھرتیں کیں، جہاد کئے، غرضیکہ انہوں نے اپنے خون سے اسلام کی آبیاری کی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے بھی ہوئے، اسلام کے لئے ان کی قربانیاں

بھی سب سے زیادہ ہیں، لہذا خلافت کے اولین حقدار قریش ہیں۔ جب کوئی خلیفہ منتخب ہو جائے تو انفرادی و اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے تعمیری کاموں اور بھلائی میں اس سے تعاون اور اس کی اطاعت لازم ہے، جو قبیلہ خواہ عرب کا ہی ہو اس کی مخالفت کرے گا وہ حزب ابلیس ہوگا شیطان کا گروہ ہوگا۔ لہذا معلوم ہو اگر اسلام کے نظام خلافت میں اختلاف کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اہل مغرب اسے آزادی رائے کا نام دیتے ہیں۔ بلاشبہ اسلام رائے کی آزادی دیتا ہے مگر کس رائے کی آزادی۔

### آزادی رائے کا مطلب:

یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ رائے بلندی فکر کو کہتے ہیں، ایسی فکر جو فکر خدا واد ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت اور بزرگان دین کی تعلیم ہے۔ اس فکر خدا واد کو اسلام نے نہ صرف اچھا تصور کیا ہے بلکہ اس فکر کی دعوت دی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

ثُمَّ تَفَكَّرُوا (سباہ) ترجمہ: پھر تم فکر کرو۔

سارے قرآن مجید میں ۱۸ جگہ فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور بار بار فرمایا گیا: كَذَلِكَ يَهْتَمُّ اللَّهُ لَكُمْ اس طرح بیان کرتا ہے اللہ اپنی اولیٰت لعلکم تفکروا آیات کہیں تم فکر کرو۔

(البقرہ ۲۱۹-۲۲۴)

اور عا ہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات عربی زبان میں ہیں اور لوگوں کے ترجموں کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ہر فرقہ اپنے ہی ذہن کے مطابق ترجمہ کرتا ہے جس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے لہذا کسی کے ترجمہ پر انحصار کرنے والا غلطی کھا سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کی آیات میں فکر کرنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کے لئے عربی زبان اور اس کے اصول پر مکمل عبور ہو اور عربی زبان پر سب سے



زیادہ عبور علماء دین کو ہے لہذا صحیح فکر بھی انہی کی ہوگی اور انہی کی رائے اور فکر کو اولیت و ترجیح دی جائے گی۔

نبیوں کے وارث، اللہ کے امین اور دین کے صحیح محافظ؛

کیونکہ حدیث شریف میں علماء کرام کے بارے میں فرمایا گیا:

(۱) العلماء مصابیح الارض وخلفاء الانبياء وورثتي وورثة

الانبياء۔

کہ علماء دین کے چراغ ہیں، پیغمبروں کے جانشین، میرے اور پیغمبروں کے وارث ہیں۔

(۲) العلماء اصناء الله على خلقه۔

یعنی علماء اللہ کی مخلوق پر اللہ کے امین ہیں۔

(۳) العلماء قادۃ۔

یعنی علماء ہی قائد (سچے رہنما) ہیں۔

لہذا صحیح فکر اور صحیح رائے انہی اہل علم و علماء حق کی ہے جو اللہ کی آیات کا علم رکھتے ہیں۔ ان کی فکر خدا و فکر ہے لیکن جو لوگ قرآن و سنت کے علوم سے ناواقف ہیں ان کی آراء و افکار کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اگر علماء حق کے مقابلہ میں وہ اپنے افکار لائیں گے تو وہ شبیلانی افکار ہوں گے۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ

آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد (ص ۴۶)

خلیفہ سے اختلاف کیا جاسکتا ہے :

لیکن اس کے باوجود خلیفہ پر تنقید کی جاسکتی ہے اور اس سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے مگر تنقید برائے تنقید اور اختلاف برائے اختلاف نہیں،

یعنی مغربی جمہوری نظام کی طرح حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے کے لئے نہیں بلکہ حسب ضرورت اور حد ضرورت تک، آداب و اخلاق کے دائرہ میں رہ کر اور کتاب و سنت کی روشنی میں اور معقولیت کے ساتھ خلافت اسلامیہ کا دستور جو کہ قرآن ہے۔ یہ دستور اصحابِ رائے کو خلیفہ سے اور اس کے عامل اور حکام سے اختلاف رائے کا حق دیتا ہے۔ چنانچہ اس دستور مقدس کا مطلوبہ متن درج ذیل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء: ۵۹)

پھر اگر تم کسی چیز کے بارے میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر یقین رکھتے ہو۔

اس آیت شریفہ میں حاکم و محکوم، حاکم و رعایا اور سربراہ مملکت سے لیکر ایک عام آدمی تک سب کو خطاب ہے، اور فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم میں کسی چیز کے بارے میں کوئی اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتے ہو یعنی اگر تم واقعی مسلمان ہو تو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم آپس کے اختلاف کا حل قرآن اور سنت سے ڈھونڈو گے۔ اور یہ خطاب عام ہے سب کے لئے۔

اس آیت سے درج ذیل باتیں واضح ہو گئیں۔

(۱) خلیفہ سے اختلاف رائے کیا جاسکتا ہے۔ اس پر تعمیری انداز میں اور جائز و مناسب طریقہ سے تنقید کی جاسکتی ہے۔ بلکہ خلیفہ وقت خود کو کہیں بھی



تنقید و اصلاح سے بالاتر نہیں سمجھتا اس سلسلے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ :

فان احسننا فاعينوني وان اسأت فتقوموني الصدق  
امانة والكذب خيانة والضعيف فيكم قوي عندنا  
حتى ارجع عليه حقه انشاء الله والقوي فيكم ضعيف  
حتى اخذ الحق منه انشاء الله - (ابواب التواضيع ج ۳ ص ۳۰)  
پس اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں برا کروں تو  
مجھے سیدھا کر دینا، حق امانت ہے اور جموع خیانت ہے اور  
تم میں کمزور میرے نزدیک قوی ہے حتیٰ کہ میں اس کا حق اُسے  
دلوں انشاء اللہ اور تم میں قوی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں  
تک کہ میں اس سے کمزور کا حق لے لوں انشاء اللہ۔

اس میں خلیفہ وقت نے اعلان فرمایا کہ اگر وہ اچھے کام کریں تو ان کی  
مدد کی جائے اور اگر وہ غلط کام کریں تو نہ صرف یہ کہ ان پر تنقید کی جائے اور  
ان سے اختلاف کیا جائے بلکہ ان کو راہ راست پر لایا جائے۔

اسلام کا کوئی خلیفہ یا حکمران کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو حضرت ابوبکر صدیق  
سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہر حاکم ہر امیر سے بہ طریق اولیٰ اختلاف کیا جاسکتا  
ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا خلافتی نظام آمریت اور ڈکٹیٹر شپ نہیں  
بلکہ یہ شورائی نظام ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

آغوش میں اس کی وہ تھلی ہے کہ جس میں کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت میرا ہے  
علامہ اقبالؒ کا پسندیدہ نظام، نظامِ خلافت ہے :

نیز ہمارے شاعر اسلام علامہ محمد اقبال مرحوم بھی اسلام کے خلافتی نظام ہی

کے پرستار تھے اور اسی کے بحال کرنے کی دعوت دیتے تھے ۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تیری

مرد درویش ! خلاف ہے جہانگیر تیری

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار : لاکھوں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب بگڑ

ہمارے ملک پاکستان کے عوام و خواص، اور حکمران بالعموم اور ارباب  
مسلم لیگ بالخصوص علامہ اقبالؒ کے مداح ہیں، سرگرم، سکولوں، کالجوں اور  
پارکوں کے نام تک علامہ اقبالؒ کے نام پر رکھے ہوئے ہیں۔ لاہور میں ایک  
عظیم الشان عمارت ”ایوان اقبال“ کے نام سے تعمیر ہوئی ہے۔ علامہ اقبالؒ سے  
اس حد تک عقیدت و محبت کے مظاہرے کئے گئے ہیں اور کئے جا رہے ہیں  
مگر افسوس کہ ان کے پسندیدہ نظریہ، نظریہ خلافت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ  
کیسی عقیدت ہے کہ شخصیت سے عقیدت کا اظہار مگر اس کے نظریہ سے بے زار  
لا حول و لا قوۃ الا باللہ یہ عقیدت نہیں۔ ریا کاری اور دھوکہ ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک جمہوری نظام ملک و ملت کے لئے

تباہ کن ہے

اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک جمہوری نظام ملک

ملت کے لئے تباہ کن ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے

جمہوری نظام کی خرابیاں علامہ اقبالؒ کی نظر میں :

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اس جمہوری نظام کی ایک تو سب سے بڑی خرابی

یہ ہے کہ اس میں بندوں کو گنتے ہیں تو لے نہیں، اس میں جاہل اور عالم، احمق اور عقلمند



رائے (ووٹ) برابر ہے۔ حالانکہ یہ قطعی طور پر عقل و دانش کے خلاف ہے ایک طرف دس احمق اور جاہل ہوں اور دوسری طرف نو اہل علم دانش ہوں تو حکومت دس احمقوں کی ہوگی۔ احمق حاکم اور عالم و دانشور محکوم ہوں گے۔

سب انسانوں کی رائے اور شخصیت کو ایک  
درجہ میں شمار کرنا قرآن کریم کے خلاف ہے

سب انسانوں کی رائے اور شخصیت کو ایک درجہ میں شمار کرنا قرآن و سنت اور اسلامی ہدایات کے قطعاً خلاف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

(الزمر: ۳۹)

یعنی کہہ دیجئے کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

یعنی عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ لہذا ان کا ووٹ یا ان کی رائے بھی برابر نہیں ہو سکتی۔

(۲) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (المعدہ: ۱۶)

کیا اندھا (بے علم) اور آنکھوں والا (عالم دین) برابر ہو سکتے ہیں۔

یعنی عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہو سکتے تو پھر ان کی رائے یا ان کا ووٹ ایک جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ہرگز ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ لہذا مغربی جمہوریت سراسر قرآن کے خلاف ہے۔

(۳) هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (النحل: ۷۶)

کیا وہ جو انصاف کا حکم نہیں دیتا اور سیدھے راستے پر نہیں

چلتا اور وہ جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور سیدھے راستے پر چلتے

دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (سہرگز نہیں)

(۴) لوگوں کی اکثریت ناسق ہے۔ (المائدہ: ۵۹)

(۵) لوگوں میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں (الزخرف: ۸)

(۶) لوگوں میں سے اکثر ایمان کے تقاضوں پر نہیں چلتے۔

(۷) لوگوں کی اکثریت عقل و شعور سے خالی ہے۔ (المائدہ: ۱۰۳)

(۸) لوگوں کی اکثریت جہالت کا شکار ہے۔ (الانعام: ۱۱۱)

(۹) لوگوں کی اکثریت اللہ کی ناشکری ہے۔ (ذخرف: ۷۱)

(۱۰) اگر تم زمین میں بنے والوں کی اکثریت کی رائے مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کے

راستے سے بہکا دیں گے۔ (الانعام: ۱۱۶)

(۱۱) کہہ دو گندے عمل والے اور پاکیزہ عمل والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ

گندوں کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔ (سورۃ الانعام: ۷۰)

یعنی ان کی کثرت میں رعب اور دبدبہ ہے اس کی وجہ سے انسان ان کی

کثرت سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ تو قرآن نے واضح کر دیا کہ گندے اور

پاکیزہ برابر نہیں لہذا تم گندوں کی کثرت سے مرعوب نہ ہو کرو بلکہ پاکیزہ لوگوں

کو چننا کرو اور پاکیزہ لوگوں کا ساتھ دیکرو اور ان کی رائے کو اہمیت دیا

کرو۔

(۱۲) وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَسَوْا

الضَّالِّاتِ وَلَا الْمُسْلِمِينَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۔

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ وہ جو ایمان لائے۔ اور

اچھے کام کئے اور نہ بدکار۔ کتنا کم دھیان کرتے ہو۔ (المومن: ۵۸)

یعنی جاہل اور عالم یکساں نہیں اور مومن صالح اور بدکار یہ دونوں بھی برابر



نہیں ہو سکتے۔

قرآن کریم کی اس آیت نے مغربی جمہوری نظام کی جڑ اکھیر کر رکھ دی ہے اس کے باوجود جو مسلمان کہلائے پھر مغربی جمہوری نظام کے پیچھے چلے اور اسے اپنائے وہ تارک قرآن ہے۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلمان ہو کر اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ مغربی جمہوریت قرآن کے قطعاً منافی ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کا دیا ہوا نظام سیاست و حکومت جسے خلافت کہتے ہیں عین قرآن و سنت کا مدعی ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایمان اور علم خلافت کے ساتھ ہوں گے۔

(الحديث رواه الامام السيوطي في حسن المحاضرة)

ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ مغربی جمہوریت کا قلع قمع اور خاتمہ کر کے اس کی جگہ نظام خلافت جو ایک بہترین شورائی نظام ہے "لا خلافة الا عن مشورۃ (کنز العمال) کہ خلافت شورائی نظام ہی ہے، کو فروغ دینے میں ہرگز دریغ نہ کریں بلکہ اس کے لئے تن من و حن کی بازی لگا دیں۔ اسی میں امت مسلمہ کی فلاح ہے اور آج یہی جہاد اکبر ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام

جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

جمہوریت چنگیزیت ہے :

جیسا کہ ہم نے پہلے قرآن مجید کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ جمہوریت مردوجہ قطعاً غلط نظام ہے۔ علامہ اقبال اس پر مزید تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب  
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلہ پری  
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام  
چہرہ روشن، اندر چنگیز سے تارک تر

یعنی مغرب کا جمہوری نظام بہ ظاہر خوبصورت مگر اندر سے چنگیز سے بھی سیاہ ہے۔ یہ نظام امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بناتا ہے۔ یہ نظام جاہلوں کو اہل علم پر اور گھٹیا لوگوں کو شریف لوگوں پر مسلط کرتا ہے۔ علامہ اقبال اس جمہوری نظام کی مذمت میں ایک اور جگہ یوں فرماتے ہیں :

ہے کند بسند غلامان سخت تر

حریت سے خواند اور ابے بصر

ترجمہ : جمہوریت غریبوں کو مزید ظلم کے پنجے میں جکڑ کر رکھ دیتی ہے اندھا اسے آزادی کا نام دیتا ہے۔

یعنی جمہوریت ایک ظالمانہ نظام ہے اور یہ مطلق العنان ملکیت ہی کی ایک شکل ہے بلکہ بدترین شکل ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں :

گر مٹی ہنگامہ جمہور دید

پر وہ بر روئے ملکیت کشید

ترجمہ : اس نے ہنگامہ جمہور کی گرمی دیکھی۔ ملکیت کے سارے پردہ کھینچ دیا اور اندر سے ملکیت کو نہ دیکھا یعنی ملکیت جمہور کے پیسے میں نہ کچی۔

سے الحذر از گرمی گفت اراو

الحذر از حرف پہلو دار او



ترجمہ : جمہوریت کے شور و غوغا سے خوف کرو، اس کے پہلو دار  
حرف کے خطرناک نتائج سے خوف کرو۔  
مسلمانوں کا دستور و آئین :

نیز سورہ نسا کی مذکورہ آیت سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے  
کہ مسلمانوں کا دستور و آئین قرآن و سنت ہے۔ اس لئے باہمی اختلاف کے  
وقت اسی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بندوں کا بنایا ہوا دستور  
و آئین بے کار ہے اور حدیث شریف میں بھی یہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کتاب و سنت کو ہی مسلمانوں کا دستور و آئین

قرار دیا اور فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان دو  
چیزوں پر عمل پیرا ہو گے اور ان کو تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہی  
علامہ اقبالؒ کا خیال ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

تو ہی دانی کہ آئین تو چھیت زیر گردن سر تمکین تو چھیت  
ترجمہ : کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا آئین کیا ہے؟ آسمان کے نیچے تمہارے  
استحکام و تمہاری قوت کا راز کیا ہے :-

آں کتاب زندہ مستر آن حکیم حکمت اولیٰ زلال ست و قدیم  
ترجمہ : تمہارا دستور و آئین زندہ کتاب قرآن حکیم ہے۔ اس کی حکمت  
دامنی و قدیم ہے :-

سندہ اسرار تکوین حیات بے ثبات از قوتش گیر و ثبات  
ترجمہ : وہ انسان زندگی کے تخلیق کے اسرار کا نسخہ ہے، اس کی  
قوت سے غیر مستحکم، مستحکم ہو جاتا ہے :-

حرف اور اریب نے تبدیل نے آیہ اشش شرمندہ تاویل نے

ترجمہ : اس کے کسی حرف میں شک نہیں اور نہ ہی تبدیلی کا امکان  
ہے۔ اس کے احکام میں دو بدل ممکن نہیں۔

جبکہ بندوں کے بنائے ہوئے اور جاہلوں اور دین سے بے خبر  
ممبران اسمبلی کے بنائے ہوئے دستور آئے دن تبدیل ہوتے رہتے ہیں  
بلکہ ہر آنے والا حکمران ان کے دستور کی دھجیاں بکھیرتا رہتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ  
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا ہوا دستور و آئین تبدیل و تحریف  
سے پاک اور آخری ہے اس میں تبدیلی ناممکن ہے بلکہ دنیا ایسا دستور و آئین  
لانے سے عاجز ہے۔ یہ آئین بھی ہے معجزہ بھی ہے اور رحمت بھی۔ علامہ اقبالؒ  
فرماتے ہیں :-

نوع انساں را پیام آخیز حاصل اور رحمتہ للخلیقین  
ترجمہ : یہ نبی نوع انسان (تمام انسانوں) کے لئے خدا کا آخری پیغام  
ہے۔ اس کے لانے والے رحمتہ للخلیقین ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)  
سے رہنماں از حفظ اور ہر شہند از کتابے صاحب دفتر شہند  
ترجمہ : اس کی تعلیم سے ڈاکو بھی قوموں کے راہنما بنے۔ اس ایک کتاب  
کے علم سے بہت علوم کے حامل ہو گئے۔

نمبر ۱ : اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو سلطان اللہ پر اور آخری دن پر یقین  
کامل رکھتا ہے۔ وہ قرآن و سنت کے سوا کسی اور چیز کو اپنے ملک کا دستور  
و آئین تسلیم نہیں کرے گا۔

پورے عالم اسلام کا ایک ہی خلیفہ ہونا ضروری ہے  
قرآن و سنت اور عقائد اسلام سے یہی ثابت ہے کہ پورے عالم اسلام  
کا ایک ہی خلیفہ و حکمران ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ



اسے خلیفہ، خلیفۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، امیر المومنین یا امام کوئی بھی نام دیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :  
واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تغرقوا واذکروا  
نحلتہ اللہ علیکم اذکنتم اعداء فالغ بین قلوبکم  
فاصبحتم بنحلتہ اخواناً (آل عمران، ۱۰۳)

اور تم سب مسلمان اکٹھے ہو کر اللہ کی ہسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام  
لو اور آپس میں پھٹ نہ جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو  
جب تم میں دشمنی تھی تو اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو تم اس  
کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا ایک تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنے اپنے نام بہاد آزاد  
ممالک کے درمیان باہمی حد بندیوں کو ختم کر کے ایک عظیم الشان اسلامی ریاست  
قائم کریں اور دوسرا یہ کہ ایک ہی خلیفہ مقرر کریں۔ اور تیسرا یہ کہ اپنا ایک ہی  
دفاع بنائیں۔ اور چوتھا یہ کہ ایک ہی کرنسی مقرر کریں اور پانچواں یہ کہ الگ الگ  
جوازات (پاسپورٹس) ختم کر کے اپنی جنسیت و قومیت ایک ہی بنائیں یعنی (مسلم)  
اور یہ وہ قومیت ہے جو اسلام نے ہمیں دی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام  
ایمان کے امنٹ رشتے میں پرو کر ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا اور جب ہم سب  
بھائی ہیں تو ہماری جنسیت و قومیت الگ الگ کیوں؟ بلاشبہ ہماری جنسیت ایک  
ہے اور وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ ہمارے جوازات پر قومیت کے خاندین صرف  
(مسلم) ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو آپس میں الگ الگ پاسپورٹس، قومیتوں اور ویزوں  
کی پابندیوں میں جکڑنا اسلام کے ساتھ سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے

کہ ان اسلام دشمن سازشوں اور حد بندیوں کو ختم کر دیں۔

تھام بھر میں کھڑک سنبھل جا

تڑپ جا پیچ کھک کر بدل جا

نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج

ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

تمام عالم اسلام کی ایک ہی قومیت ہے :

ہم قرآن و سنت کی رو سے یقین رکھتے ہیں کہ تمام عالم اسلام کی اور  
دنیا بھر کے مسلمانوں کی ایک ہی قومیت ہے اور وہ صرف اور صرف اسلام  
ہے۔ چنانچہ سنن نسائی شریف میں ہے :

(۱) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ :

کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض

غزو واثہ فمر بقوم فقال من القوم؟ فقالوا نحن

المسلمون (سنن نسائی، کتاب المناکح ج ۲، ص ۶)

ہم بعض غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے

تو آپ کا ایک گروہ سے گذر ہوا آپ نے ان سے پوچھا تم کونسی

قوم ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم مسلمان ہیں۔

(۲) دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالروحاء فلفق رکباً

فسلم علیہم فقال من القوم؟ فقالوا المسلمون۔

(سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحاء کے مقام پر تھے تو آپ کچھ



سواروں سے ملے آپ نے انہیں سلام کیا پھر یو چھاتم کو کسی قوم  
ہو؟ انہوں نے عرض کی "مسلمون"

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ہم سب مسلمانوں کی ایک ہی قومیت  
و جنسیت ہے اور وہ صرف اور صرف اسلام ہے ہم دنیا بھر کے مسلمان ایک قوم  
ہیں اور ہم سب کی ایک قومیت ہے اور وہ "مسلم" ہے۔ اس لئے ہم سب  
ایک ہیں تو ہمارا ایک ہی حکمران ہونا چاہئے جو خلیفہ یا امام کہلائے۔ ہمارا ایک  
ہی دناج ہونا چاہئے یعنی سب فوجیں مل کر ایک بڑی اسلامی فوج میں بدل جائیں۔  
ہماری ایک ہی قومیت مسلم ہو جو قرآن و سنت سے ثابت ہے لہذا ہم سب کا  
ایک ہی جواز یعنی پاسپورٹ ہو اور یوں ویزوں کی لعنت بھی ختم ہو۔ اور ہم سب  
بھائی اپنے دوسرے بھائیوں سے بلا روک ٹوک مل سکیں اور ایک دوسرے کی مدد  
بھی بلا روک ٹوک کر سکیں۔ یہ پاکستان، ایرانی، عراقی، کویتی، سعودی، شامی، مصری  
اور ترکی وغیرہ کی قومیتیں عصبیت ہیں جن سے اسلام نے ہمیں روکا۔ وطنیت  
و قبائلیت و برادری کے چکر میں ہمیں دشمنان اسلام نے پھنسا یا ہے جیسا کہ اس  
آیت کی تفسیر میں علامہ مرغنی لکھتے ہیں کہ:

ومنها العصبية الجنسية (الی ان قال) وسرى ذلك الى  
بعض بلاد الاسلامية فحاول اهلها ان يجعلوا في المسلمين  
جنسيات ووطنية فذاعا الترك الى العصبية التركية  
والمصريون الى الجنسية المصرية والعراقية الخ  
(تفسیر مرغنی، ج ۱، ص ۲۸۸)

ان ناجائز عصبیتوں میں سے جنہوں نے مسلمانوں میں تفریق ڈال دی  
ایک عصبیت جنسی (قوم عصبیت ہے) جو بلا واسطہ میں آگئی ہے

کہ انہوں نے مسلمانوں میں وطن جنسیت داخل کر دی۔ کوئی ترک  
کہلاتا ہے تو کوئی مصری اور کوئی عراقی، یہ وطنیت پر مبنی قومیت  
مسلمانوں میں تفریق ڈالنے والی چیز ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی  
تعلیمات کے برعکس ہے۔

ہمارے الگ الگ جوازاں ہماری الگ الگ قومیت ظاہر کرتے  
ہیں اور یہ امت مسلمہ کے باہمی اتحاد و اتفاق کو نقصان پہنچانے والی چیز ہے۔  
اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ:

وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَنَافِقَ بَيْنَهُ عَنِ السَّبِيلِ  
(الانعام، ۱۵۳)

مسلمانوں نے مختلف راہیں نہ چلو وہ تمہیں الشک راہ سے جدا کر دیں گی۔  
اللہ تعالیٰ نے جو مسلمانوں کو راہ دکھائی وہ یہ ہے کہ وہ سب مل کر ایک امت  
مسلمہ ہیں۔ ہمارا ایک ایک ہی راستہ ہو اور وہ اپنی وحدت کو قائم کرنا۔ ایک  
خلیفہ و امیر کے جھنڈے تلے جمع ہونا، ایک وحدت میں پر دلی ہوئی فوجی قوت  
بنانا، ایک ہی قومیت مسلم اختیار کرنا، اور ایک ہی کزنس کے ذریعے اپنے اندر  
معاشی وحدت بنانا کرنا، اور مل کر اللہ کے قرآن اور اس کے رسول کی سنت کو تحفظ  
اور دین کا بول بالا کرنا ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر الگ الگ ریاستیں بن لینا، الگ  
الگ حکمران مقرر کرنا، الگ جوازاں (پاسپورٹس)، اور الگ الگ فوجیں اور الگ  
الگ کرنسیاں بنانا، الگ الگ راہیں اختیار کرنا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول  
اجازت نہیں دیتے کیونکہ اس سے امت مسلمہ کے درمیان وہ اتحاد باقی نہیں رہا جو  
اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلوب ہے۔ قبائلیت اور وطنیت  
کا تصور اسلام کے آفاقی اور ہمہ گیری تصور کے منافی ہے بلکہ رنگ و نسل، علاقیت



و قبا ئیت اور وطنیت بت ہیں ان کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ کو تقسیم کرنا جہالت ہے اور یہ وہ بت ہیں جن کا توڑ نا ضروری ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں :-

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تو رانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

سے بتان شعوب و قبائل کو توڑ دسوم کہن کے سلاسل کو توڑ

یہی دین محکم ہے فتح باب کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

یعنی شعوب و قبائل کے بتوں کو توڑنے اور ایک اسلامی قومیت کے عمل میں

لانے سے ہی توحید کا علم بلند ہو سکتا ہے اور توحید کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے

میں پہنچانے اور دین کو محکم کرنے اور امت مسلمہ کے لئے فتح و نصرت کے دروازے

کھلنے کا واحد راستہ قبا ئیت اور وطنیت کے بتوں کو توڑ کر ایک اسلامی ریاست قائم

کر کے نظام خلافت کو دوبارہ زندہ و بحال کرنا ہے۔

علامہ اقبال کی دعوت :

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ بھی مسلمانوں کو یہی دعوت دیتے اور اسی راستہ پر چلنے

کی تلقین کرتے ہیں :-

تا خلافت کی بنیاد دنیا میں پھر ہمارا لاکھیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب ہو

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب وطن ہے جو پرین اس کا ہے وہ مذہب کا گھن ہے

یہ بت کہ تماشید و تہذیب انوی ہے غارت گر کا شانہ دین نبوی ہے

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام تیرا دیں ہے تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھ دے

اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے سب اسی

ہو بھر میں آزاد وطن، صورت ماہی

ہے ترک وطن، سنت محبوب الہی

دے تو بھی نبوت کی صداقت پر گواہی

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

خال ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے

کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا جیسی ہے اسی سے

”قومیت اسلام“ کی جد گشتی ہے اسی سے

علامہ اقبال نے بھی اپنے اس شعر میں ”قومیت اسلام“ کا لفظ کہہ کر واضح کر دیا

ہے کہ تمام مسلمانوں کی قومیت ایک ہی ہے، اور وہ اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان :

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ اور ولا تتبعوا السبل

فتفرق بکھ عن سبیلہ۔ دونوں آیتوں سے ثابت ہو چکا کہ مسلمان جو نام نہاد

آزاد اسلامی ریاستیں بنا کر امت مسلمہ کو بہت سے ٹکڑوں میں بانٹ بیٹھے ہیں،

اپنی اپنی نام نہاد آزادی کو ختم کر کے ایک جھنڈے تلے جمع ہوں اور ایک ہی خلیفہ

یا امام کا تقرر عمل میں لائیں۔

ایک ہی حکمران ہونا چاہیے :

قرآن کریم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پیش کی جاتی

ہیں ان احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پوری امت مسلمہ کا ایک ہی امام (حکمران)



ہونا ضروری ہے۔

### جاہلیت کی موت :

امام یا خلیفہ اسلام کا تقرر اس قدر اہم فریضہ ہے کہ اس کے بغیر مسلمانوں کی موت کو جاہلیت کی موت ٹھہرایا گیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

(۱) من مات بغیر امام مات میتة جاهلیة۔

جو امام کے بغیر مراد وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۲) من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة

جو اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں ایک امام کی بیعت نہیں

وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۳) من مات لیس لامام جماعۃ علیہ طاعة مات میتة

جاہلیة

جو اس حال میں مرا کہ اس پر مسلمانوں کی جماعت (امت مسلمہ) کے

امام کی اطاعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۴) من استطاع ان لا ینام یوما ولا یصبح صابحا ولا

یجسی مسادا ولا علیہ امیر۔

جس سے یہ ہو سکے کہ ایک دن نہ سوئے اور نہ ہی صبح گزار دے

اور نہ ہی شام گزار دے مگر اس حال میں کہ اس پر ایک ہی امیر

ہو وہ ضرور کرے۔

(۵) من مات ولیس علیہ طاعة مات میتة جاهلیة

جو اس حالت میں مرا کہ اس پر ایک امیر کی اطاعت نہیں وہ

### جاہلیت کی موت مرا۔

(۶) من مات ولیس علیہ امام فمیتة میتة جاهلیة۔

جو اس حال میں مرا کہ اس پر ایک امام نہیں تو اس کی موت جاہلیت

کی موت ہے۔

(۷) من مات ولیس علیہ امام مات میتة جاهلیة۔

جو اس حال میں مرا کہ اس پر ایک امام نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(ان ساتوں حدیثوں کو امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البہیسی علیہ الرحمة

متوفی ۸۵۷ھ نے اپنی کتاب "مجمع الزوائد" کی جلد ۵ کے صفحہ ۲۱۸ تا صفحہ ۲۲۵

سندوں کے ساتھ نقل فرماتے ہیں)

(۸) شرح عقائد میں حدیث نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ،

من مات ولم یعرف امام زمانہ فمات میتة جاهلیة۔

جو اس حالت میں مرا کہ اسے اپنے زمانے کے امام (امت مسلمہ) کے

حکمران کا علم نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(۹) امام عبد العزیز البریاروی علیہ الرحمة "النبراس شرح" شرح عقائد میں

شرح عقائد کی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح مسلم

میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مسلم کی

دوسری حدیث مرفوع میں ہے۔

من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة۔

جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں ایک امام کی بیعت نہیں وہ

جاہلیت کی موت مرا۔ (النبراس ص ۱۱۷)



## اجماع صحابہ :

(۱۰) امام ابو شکور محمد بن عبد السید بن شعیب الکشی السامی علیہ الرحمۃ متوفی ۲۵۰ھ اپنی مشہور کتاب "التمہید فی بیان التوحید" جس کے حوالے داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ بھی اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں دیتے ہیں، میں حدیث مذکور نقل فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے کہا کہ :

سمعتنا رسول اللہ علیہ وسلم یقول من مات ولم یر علی نفسه اماما مات میتة الجاهلیة فلا ینب ان یعطى علینا یومہ ولا ندرى لافنسنا اماما (التمہید ص ۱۱، ص ۱۲) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں جو شخص اس حال میں مرا کہ اپنے آپ پر ایک امام کو نہ دیکھا وہ جاہلیت کی موت مرا پس ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہم پر ایک دن بھی اس حالت میں گزرے کہ ہم اپنے لئے ایک امام کو نہ دیکھتے ہوں۔

گو یا ملت اسلامیہ کا ایک امام ہونا اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہوا اس لئے امام ابو شکور محمد بن عبد السید بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔  
فہذا یدل علی ان من لم یر الامام حقا فانه یکفر۔  
(التمہید فی بیان التوحید)

پس صحابہ کا یہ فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک امام کو حق نہ مانے، وہ کافر ہو جائے گا۔

علامہ عبد العزیز البریلوی علیہ الرحمۃ شرح عقائد والی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

سواء کان فی زمانہ امام ولم یعرفہ ولم یکن فی زمانہ

## امام اصلا۔ (الفراس ص ۵۱۲)

خواہ اس کے زمانہ میں امام ہو اور اس نے اسے نہ پہچانا یا اس کے زمانہ میں سرے سے امام ہو ہی نہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔  
ان تمام حدیثوں سے معلوم ہوا کہ پوری امت مسلمہ کے لئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے اور انتہائی ضروری ہے۔

کئی ایک اسلامی ریاستیں اور ان کے الگ الگ حکمران :

عقائد اسلام کی کتابوں میں ہے کہ ایک وقت میں کئی ایک آزاد اسلامی ریاستیں اور ان کے الگ الگ حکمران ہونا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ امام جلیل سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ انفق زانی علیہ الرحمۃ متوفی ۷۹۷ھ "شرح مقاصد" میں اور امام زین العابدین قاسم بن غلو بن علیہ الرحمۃ متوفی ۸۷۸ھ "شرح مسامرہ" میں فرماتے ہیں :

انتظام امر عمومہ الناس علی وجہ یؤدی الی صلاح الدین والدنیا یفتقر الی ریاستہ عامۃ فیہما اذ لو تعدد الرؤساء فی الاصلقاع والبقاع لاؤدی الی منازعات وخصومات موجبة لاختلال امر النظام الخ (شرح عقائد ۱ ج ۲ ص ۱۱)

(شرح المسامرہ علی المسامرہ ج ۲ ص ۱۱)

تمام لوگوں کے معاملہ کا انتظام ایسے طریقہ پر جو دین و دنیا کی بھلائی تک مؤدی پہنچانے والا ہو (دین و دنیا میں ایسی ریاست اسلامیہ کا محتاج ہے جو تمام عالم اسلام پر حاوی ہو۔ کیونکہ اگر مختلف علاقوں کے مختلف و مستعد حکمران ہوں تو یہ چیز یا بھی لڑائی جھگڑا تک نوبت پہنچائے گی جس سے عالم اسلام کے نظام میں خلل پڑ کر رہے گا۔



اس عبارت سے ثابت ہوا کہ پورے عالم اسلام کا ایک امام و حکمران ہونا ضروری ہے اور یہ کہ عالم اسلام کا کئی ایک آزاد ریاستوں میں تقسیم ہونا اور ان کے الگ الگ حکمران ہونا جائز نہیں کیونکہ اس سے ان میں باہمی لڑائیاں ہوتی ہیں اور ہوں گی، جھگڑے ہوتے ہیں اور ہوں گے جس سے عالم اسلام کا نظام خلل پذیر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ جیسا کہ سعودی عرب اور یمن کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ ایران اور عراق میں جنگ ہوئی اور آٹھ سال تک ہوتی رہی۔ پھر عراق اور کویت کے درمیان حال ہی میں ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ سرزمین عراق و کویت میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہ گئیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی  
فلکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گا  
ہو گیا مانند آب، ارزاں مسلمان کا لہوا

مضطرب ہے تو کدہل تیرا نہیں دانے راز

اہل مغرب نے مسلمانوں کو تقسیم کر ڈالا :

علامہ اقبال مرحوم کہتے ہیں کہ مغرب والوں یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ان کی ایک ریاست غلطی کو کئی ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ یوں مسلمانوں کی قوت کو ایسے پگھلا دیا گیا جیسے ستار سونے کو پگھلا دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی قوت منتشر ہو گئی اور مسلمان آپس میں لڑنے لگے اور کہیں بیرونی دشمن نے ان میں سے کسی ایک پر چڑھائی کر ڈالی اور باقی یوں ہی دیکھتے رہے جیسے اب عراق پر حملہ ہوا تو باقی مسلمان دیکھتے رہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا خون سستا ہو گیا اور پانی کی طرح بہنے لگا اور بہہ رہا ہے۔ فلسطین، کویت، ایران، عراق، افغانستان، کشمیر، فلپائن اور برما کے مظلوم مسلمانوں کے خون سے روئے زمین لالہ زار بنی ہوئی

ہے مگر مسلمان ریاستیں ایک دوسرے سے آزاد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک نہیں ہو سکتیں کیونکہ امریکہ و یورپ کی غلامی کا طوق پہن کر اپنے ضمیر مردہ کئے ہوئے ہیں کہ

مٹھا جونا خوب، بتدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر  
پورے عالم اسلام کے لئے ایک خلیفہ یا امام کا مقرر کرنا امت کا اہم فریضہ ہے  
قرآن کریم کی گذشتہ آیات اور مذکورہ احادیث شریفہ سے ثابت ہو گیا  
کہ پوری امت مسلمہ اور تمام عالم اسلام کے لئے ایک ہی خلیفہ یا امام کا مقرر کرنا  
امت کا اہم فریضہ ہے۔ اس فریضہ سے غفلت پوری امت کے لئے باعث گناہ  
ہے۔ چنانچہ "الموسوعة الفقهیہ" میں ہے :

اجمعت ائمة علی وجوب عقد الامامة، وعلی ان الامة  
یحیب علیہا الانقیاد لامام عادل، یقیم فیہم احکام اللہ و  
یسو سہم با حکام الشریعة العقیقی بہا رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم ولم یخرج عن هذا الاجتماع من یعتد  
بخلافه - وهذا باجماع الصحابة رضی اللہ عنہم، بمعجود  
الصحابة رضی اللہ عنہم، بمعجود ان بلغہم نبأ وفات رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باذروا الی عقد اجتماع فی سقیفة  
بنی ساعدة و اشتدک فی الاجتماع کبار الصحابة، وبتکوا  
اہم الامور لدیہم فی تجهیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم و تشیيع جثمانہ الشریف و تداولوا فی امر خلافة  
فانہم لم یختلفوا فی وجوب نصب امام المسلمین و یقیت



هذا السنة في كل العصور، فكان ذلك اجماعا على وجوب نصب الامام، وهذا الوجوب وجوب كفاية، كما لجهل ونحوه، فاذا قام بها من هو اهل لها سقط الحرج عن الكافة، وان لم يقم بها احد، اثم من الامة فريقان، اهل الاختيار وهم اهل الحل والعقد من العلماء ووجه الناس، حتى يختاروا اماما للامة.

ب اهل الامة وهم من تتوفر فيهم شروط الامة الى ان ينصب احدهم اماما.

” تمام امت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ ایک امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اس ایک امام عادل کی (معروف میں) اطاعت کرنا امت پر فرض ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام قائم کرے اور ان احکام شریعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے، کے مطابق ان پر حکومت کرے۔ اس اجماع کی کسی ایسے شخص نے مخالفت نہیں کی جس کی مخالفت لائق توجہ ہو۔ یہی وہ تاجین کے اجماع سے ثابت ہے اور بلاشبہ ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام کو جو نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی، انہوں نے فوراً سفینہ بنی ساعدہ میں اجلاس منعقد کیا اور اس اجلاس میں بڑے بڑے صحابہ شریک ہوئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور تدفین جیسے اہم کام کو بھی مؤخر کر کے خلیفہ اسلام کے تقرر میں مصروف ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم اسلام کے لئے خلیفہ کا تقرر سب سے اہم فریضہ ہے اور انہوں نے امام مسلمین کے فوری تقرر میں کوئی

اختلاف نہ کیا (الی ان قال) اور تمام زمانوں میں یہ سلسلہ یعنی ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کے فوری تقرر کا سلسلہ جاری و ساری رہا لہذا تمام عالم اسلام کے لئے ایک امام کے تقرر کے فریضہ پر اجماع قرار پایا اور یہ فرض کفایہ ہے جیسے جہاد وغیرہ پس اس کے ذمہ دار اس ذمہ داری کو پورا کر دیں گے تو امت کے دوسرے لوگوں سے یہ فرض کفایہ ساقط ہو جائے گا اور اسے کوئی بھی نہیں کرے گا تو امت میں سے دو گروہ گنہگار ٹھہریں گے ایک اہل اختیار اور وہ اہل حل و عقد امت کے سربراہ اور وہ لوگ ہیں یعنی علماء دین اور دین کی سوجھ بوجھ رکھنے والے امر اور نہی اور مسلح افواج کے اعلیٰ حکام اور دوسرے اہل اُمت اور یہ وہ لوگ ہیں جن میں خلافت و امامت کی اہلیت کے شرائط بھر پور پائے جاتے ہیں یہ دونوں گروہ اس وقت تک اس گناہ سے نہیں بچ سکتے جب تک کہ کسی ایک کو عالم اسلام کا امام مقرر نہ کریں گے۔

استنباط مسائل:

الموسوعة الفقہیہ کی مذکورہ عبارت سے درج ذیل مسائل و احکام معلوم ہوئے:-

(۱) تمام امت مسلمہ (تمام ممالک اسلامیہ) کا ایک ہی امیر ہونا فرض ہے جو ممالک اسلامیہ میں کتاب و سنت کا قانون نافذ کرے۔ یہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔

(۲) دیدہ دانستہ فرض میں کوتاہی کرنا گناہ ہے لہذا کوتاہی کرنے والا گنہگار ہو گا۔ تو تمام اسلامی ملکوں کے سربراہ اور علماء جو خاموش ہو کر اُمت کے افتراق و انتشار کو برداشت کر رہے ہیں اس فریضہ میں کوتاہی کے مرتکب ہو کر



(۳) اس کو تاہی میں چار گروہ برابر کے شریک ہیں۔ تمام ممالک اسلامیہ کے حکمران۔ علماء مسلح افواج کے سربراہان اور نام نہاد سیاست دان بالخصوص اسلام کے نظام خلافت کی اہمیت و ضرورت سے آنکھیں بند کر کے مغرب کی ملعون جمہوریت کی اندھی تقلید کرنے والے۔

(۴) یہ سب چاروں گروہ اس وقت تک گنہگار ہوتے رہیں جب تک کہ وہ اسلام کے نظام خلافت کو قائم کر کے امت مسلمہ کے لئے ایک امیر و خلیفہ مقرر نہیں کر لیتے۔

خلیفہ مقرر کرنا سب کا فریضہ ہے :

امام علماء الدین تصکفی رحمۃ اللہ علیہ در مختار میں فرماتے ہیں :

ونصبہ اہم الواجبات (در مختار ج ۱ ص ۳۷)

”کہ عالم اسلام کے لئے ایک امام و خلیفہ کا تقرر سب سے اہم فریضہ ہے“

اس کی شرح میں امام طحاوی فرماتے ہیں :

ای من اہم الفرائض (الی ان قال) وهذا السنۃ باقیۃ

الی الان لہم یدفن خلیفۃ حتی یولی غیرہ۔

(المطحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۸)

یعنی خلیفہ اسلام یا امام المسلمین کا تقرر سب سے اہم فریضہ ہے جس کا سلسلہ ابھی تک جاری و ساری ہے یہاں تک کہ ایک خلیفہ کو اس کے مرنے کے بعد اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک اس کی جگہ دوسرے کو خلیفہ مقرر نہیں کر دیا جاتا۔

شرح عقائد نسفی میں ہے کہ :

والسالمون لا بد لہم من امام یدقروہ بتنفيذ احکامہم

واقامة حدودہم (الی ان قال) فان قیل لہ لا یجوز الاکتفاء بذی شوکۃ فی کل ناحیۃ (الی ان قال) قلنا لا نہ یتوکل الی تنازعۃ و المناصحات مفضیۃ الی اختلال امر الدین والدنیا کما نشاہد فی زماننا۔ (شرح عقائد ص ۳۸)

تمام عالم اسلام کے لئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے وہ ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے حدود جو اس نے اپنے بندوں پر عائد کئے ہیں کو قائم کرنے پھر اگر کہا جائے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ ہر جگہ سے کافرانہ شوکت والا الگ حکمران ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کافی نہیں کیونکہ اسلامی ریاست کے کسی ایک آزاد خطوں میں منقسم ہونے اور ہر ایک ریاست کے الگ الگ حکمران ہونے ان میں سے باہمی تنازعات اور جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں گے جس کے نتیجہ میں امت کے دینی و دنیوی معاملہ میں خلل پڑ جائے گا جسے ہم آج دیکھ رہے ہیں۔

اس سے بھی ثابت ہوا اور اس طرح عقائد اسلامیہ اور فقہ اسلامی کی کتابوں میں ایسے احوال بھرے پڑے ہیں جن کے ذکر سے کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی۔

خلافت کی عظمت و اہمیت :

خلافت کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں خلیفہ ہوں کی سرکار سے سلاطین اور بادشاہوں کی تاج پوشی ہوتی تھی۔ سلطان دست خلیفہ پر بیعت کرتا تھا۔ اگرچہ سلطان زور و طاقت اور سطوت و غلبہ میں خلیفہ سے کہیں بڑھ کر ہوتا تاہم ایک منصب شرعی اور ایک تقاضائے اسلامی کے آگے سرنگوں ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ جب ۶۵۶ء میں کفار تاتار کے ظالمانہ ہاتھوں سے جامعہ خلافت تار تار ہوا اور خلیفہ معتمد باللہ شہید



کئے گئے تو خلافت ساڑھے تین سال تک منقطع رہی۔

دنیا ساڑھے تین سال تک بغیر خلیفہ کے رہی :

اس پر امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ بڑے افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ :-

لما اخذ الشتر بغداد و قتل الخليفة اقامت الدنيا بلا خليفة ثلاث سنين ونصف سنة وذلك من يوم الأربعاء و رابع عشر صفر سنة ست وخمسين وهو يوم قتل الخليفة المعتصم بالله رحمه الله الى انشاء سنة تسع وخمس مائة۔

جب تاتاریوں نے بغداد پر قبضہ کیا

تاریخ الخلفاء ص ۳۵۵ و حسن المحاضر فی اخبار مصر والقاهرة جلد ۲ ص ۵۵

سلطان مصر کا سلسلہ خلافت کو پھر سے بحال کرنا :

پھر ۱۳ رجب ۵۵۹ھ کو مستنصر باللہ کو خلافت کے تخت پر ممکن کر کے سلسلہ

خلافت کو بحال کر دیا گیا۔ یہ خلافت مصر میں قائم ہوئی اور ڈھائی سو برس سے قائم رہی۔ مستنصر باللہ کی یہ خلافت خود سلطان مصر ملک غیاث بربرس نے قائم کی تھی جبکہ سلطان مصر مصر کا مضبوط بادشاہ تھا نہایت ہی عادل تھا امام سیوطی علیہ الرحمۃ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ :

فاول من بعده السلطان شمس قاضي القضاة تاج الدين

شمس المشيخ عز الدين بن عبد السلام شمس الكبار على مراتبهم

وذلك في ثالث عشر رجب ونقش اسمه على السكة وخطب

له ولقب باسم اخيه و فرح الناس الخ (تاریخ الخلفاء ص ۳۵۱)

”سب سے پہلے سلطان نے اس کی بیعت کی پھر چیف جسٹس امام

تاج الدین نے پھر شیخ العلماء امام عز الدین بن عبد السلام نے پھر حسب

مراتب دوسرے اکابرین نے اور یہ ماہ رجب کی ۱۳ ستمبر ۶۵۹ھ کی

تاریخ تھی اور خلیفہ کا نام سکے پر کندہ کیا گیا اور اس کے لئے خطبہ ہوا

اور اس کے بھائی کے نام کا اسے لقب دیا گیا اور لوگوں نے خوشیاں

منائیں :

امام سیوطی علیہ الرحمۃ حسن المحاضرہ اور تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ :-

”جب سلطان بربرس نے مستنصر کو خلیفہ مقرر کیا اور اس سے

پروانہ سلطنت حاصل کیا تو خلیفہ نے اُسے اپنا مطیع ظاہر کرنے کے

لئے اس کے پاؤں میں سونے کی بیڑیاں ڈالیں اور سلطان اپنے خدام کے

ساتھ اسی حالت میں اپنے دار السلطنت قاہرہ کا گشت کیا کہ اس کے

گلے میں خلیفہ اسلام کی اطاعت کا طوق اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اور

آگے آگے وزیر کے سر پر خلیفہ کا عطا کیا ہوا پروانہ سلطنت تھا“

(حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۵۵ و تاریخ الخلفاء ص ۳۵۸)

اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ سلطان بربرس ملک ظاہر نے

خلیفہ کا تقرر کر کے ایک دینی و اسلامی تقاضا پورا کیا۔ ورنہ اس کی سلطنت مصر میں

مضبوط تھی اگر اسلام میں خلیفہ (مرکزیت عالم اسلام) کے بغیر سلطنت و حکومت

کا کوئی جواز ہوتا تو اس کو اس قدر تکلف کرنے اور خلیفہ کے آگے ہاتھ پھیلائے

اور سلسلہ ماضیہ کو پھر سے چلانے اور جمانے کی کیا ضرورت تھی

اور لوگوں نے اس قدر خوشیاں کیوں

منائیں؟ الحمد للہ اثبات ہو گیا کہ اسلام میں خلافت کا نظام از حد ضروری ہے اور

اہم فریضہ ہے اور یہ کہ خلافت کے نظام کے بغیر الگ الگ آزاد ریاستوں کا وجود

غلط ہے۔ لہذا ضروری ہے اور شرعی تقاضا ہے کہ آج جس قدر جلدی ہو سکے سربراہان



ممکنست و فقہاء اسلام باہمی صلاح و مشورہ سے خلیفہ اسلام کا تقرر عمل میں لائیں اور عوام مسلمین انہیں قیام خلافت کے سلسلہ میں مجبور کریں اور اگر مجبور کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم بحالی خلیفہ کے لئے آواز تو بلند کریں ورنہ اس گناہ میں سب شریک متصور ہوں گے۔ چنانچہ محقق و مفکر اسلام علامہ امام عصام الدین علیہ الرحمۃ ستونی رحمہ اللہ اپنے حاشیہ علی شرح العقائد میں لکھتے ہیں:

فتحصی الامۃ کلہم و تكون میتہم میتۃ جاہلیۃ  
(حاشیہ علامہ عصام علی شرح العقائد مشرق)

”یعنی اگر امت مسلمہ نے عالم اسلام کا ایک خلیفہ مقرر نہ کیا تو کل امت گمراہ ہوگی اور ان کی موت جاہلیت کی موت ٹھہرے گی۔“  
ہندوستان کے بادشاہوں کا اپنے آپ کو خلیفہ کے تابع کرنا:

خلافت عباسیہ کے دور میں ہندوستان کے سلاطین اور بادشاہوں کی سلطنتیں اور بادشاہتیں بڑی مضبوط تھیں انہیں کسی خلیفہ کی اجازت ناموں کی کوئی حاجت نہ تھی مگر وہ سمجھتے تھے کہ اسلام میں الگ الگ آزاد ریاستوں کا کوئی تصور نہیں لہذا وہ بڑی عقیدت کے ساتھ خلفاء بغداد سے حکومت کرنے کے اجازت نامے حاصل کر کے اپنے آپ کو ان کے زیر نگیں کرتے تھے تاکہ ان کی حکومتوں کا اسلامی نقطہ نظر سے انہیں جواز حاصل ہو جائے۔ اور خلافت کی دین و دنیوی برکات انہیں اور ان کے عوام کو پہنچیں کیونکہ جہاں خلافت ہوتی ہے وہاں ایمان اور علم کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔

ایمان اور علم خلافت کے ساتھ ہیں جہاں بھی ہو:  
چنانچہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

اعلم ان مصر من حیث صارت دار الخلافۃ عظم امرھا  
و کثرت متعاشر الاسلام فیہا و علت فیہا السنۃ و عفت

عنہا البدعۃ و صارت محل مسکن العلماء و محط رجال الفضلاء و ہذا سر من اسرار اللہ تعالیٰ و دعوہ فی الخلافۃ السنیۃ کما دل ان الایمان والعلم یكونان مع الخلافۃ ایما کانت ولا یظن ان ذلک بسبب الملوک فقد کانت ملوک بنی ایوب اجل قدر و اعظم قدرا من ملوک بعدهم بکثیر و لم تکن مصر فی زمانہم کبغداد و فی اقطار الارض الان من الملوک من ہوا شد باسا و اکثر جندا من ملوک مصر کالعجم والعراق والروہ والہند والمغرب و لیس الدین فی ثما بلادہم کفیامہ بمصر ولا متعاشر الاسلام ظاہرۃ فی اقطارہم کظاہرہا فی مصر ولا نشرت السنۃ و الحدیث والعلم فیہا کما فی مصر۔

(حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر و القاہرہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۷)

”مصر جب سے دار الخلافہ ہوا اس کی شان بڑھ گئی، اس میں شعائر اسلام کی کثرت ہوئی سنت غالب ہوئی بدعت مٹی، علماء کا جنگل اور فضلاء کا جنگل ہو گیا اور یہ راز الہی ہے جسے اس نے خلافت نبوت میں ودیعت کیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جہاں خلافت ہوگی علم و ایمان اس کے ساتھ ہوں گے اور یہ کوئی نہ سمجھے کہ مصر میں دین کی یہ ترقی سلاطین مصر کی وجہ سے ہوئی کیونکہ سلطان ابواب کی اولاد سے سلطان صلاح الدین جیسے سلاطین مصر بعد والے سلاطین سے بہت زیادہ جلیل القدر تھے جبکہ ان کے زمانہ میں مصر دینی ترقی کے لحاظ سے بغداد کے برابر نہ ہو سکا اور اب زمین کے مختلف اکناف و اطراف میں وہ سلاطین



ہیں کہ سلاطین مصر سے بڑھ کر رعب و دبدبہ والے ہیں اور ان کی افواج  
بھی ملک مصر سے زیادہ ہیں جیسے عجم، عراق، روم، ہندوستان  
اور مغرب مگر ان کے شہروں میں دین ایسا قائم نہیں جیسا مصر میں قائم  
ہے اور نہ وہاں شعاثر اسلام کا غلبہ ہے جیسا کہ مصر میں غلبہ ہے اور نہ  
ہی وہاں سنت و حدیث اور علم کا غلبہ ہے جیسا کہ مصر میں ہے۔

حسن المؤمنین فی تاریخ مصر والقاہرہ ج ۲ ص ۵۷ (مستخرج)

الحمد للہ! امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی تقریر اور رسول صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ عالم اسلام کے لئے خلافت کا قیام  
از حد ضروری ہے اس کے بغیر مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ترقی اور اسلام کا غلبہ ممکن  
نہیں ہے۔ اور یہ کہ الگ الگ آزاد ریاستوں کا وجود مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ترقی میں  
حائل ہے۔

سلطان محمود غزنوی کی خلیفہ بغداد سے  
خط و کتابت اور اجازت طلب کرنا

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود نے بغداد کے خلیفہ، القاہرہ باللہ اعیانہ  
کے نام ایک خط بھیجا جس میں یہ درج تھا کہ:  
"خراسان کا بیشتر حصہ چونکہ مملکت غزنویہ کے ماتحت ہے۔ اس لئے یہ  
بہتر ہوگا کہ خراسان کا بقایا حصہ جو خلافت کا محکوم ہے وہ بھی حکومت  
غزنی کے حوالے کر دیا جائے۔"

خلیفہ بغداد نے سلطان محمود کی اس خواہش کو مجبوراً پورا کیا اور خراسان کا سارا علاقہ  
سلطان محمود کے قبضہ میں آ گیا، اس کے بعد محمود نے خلیفہ سے کہا کہ سمرقند بھی ایک فرمان  
کے ذریعے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ نے بڑے زوردار الفاظ میں انکار کیا اور

محمود کو لکھا:

"اگر تو میری مرضی کے خلاف سمرقند کی طرف آنکھ اٹھائے گا تو میں  
تمام دنیا کو تیرے خلاف ابھار دوں گا۔"

یہ جواب پاکر محمود غزنوی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے خلیفہ کے قاصد سے کہا  
میں اب جان گیا ہوں کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ہزار ہا کوہ پیکر ہاتھیوں دار الخلافہ  
کو روند ڈالوں اور بارگاہ خلافت کا طلبہ انہیں ہاتھوں پر لا دوں غزنی لے آؤں یہ جواب  
لے کر قاصد بغداد چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد ایک خط لے کر پھر غزنی آیا جس وقت خلیفہ بغداد  
کا یہ قاصد خط لے کر پہنچا اس وقت محمود اپنی بارگاہ میں بیٹھا تھا۔ غلام  
باندھے سامنے کھڑے تھے اور دربار کے سامنے کوہ پیکر ہاتھیوں کی قطاریں لگی  
ہوئی تھیں۔ قاصد نے محمود کے سامنے حاضر ہو کر سر ہٹ کر خط پیش کیا اور کہا خلیفہ  
نے فرمایا ہے کہ تمہارے خط کا جواب یہ ہے۔ معاملات خارجہ کے امیر وزیر خواجہ ابوالنضر  
روزئی نے خط کھولا اور دیکھا کہ اس میں بسم اللہ کے بعد چند سطروں پر مقطعات  
الہامیہ لکھی ہوئی ہیں اور ان سطروں کے بعد یہ لکھا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین  
والصلوٰۃ علیٰ رسولہ والہ اجمعین ہ اس عجیب و غریب خط کو پڑھ کر اور سن کر  
سلطان محمود اور تمام درباری بڑے حیران ہوئے اور دیر تک غور کرتے رہے کہ اس  
تحریر سے خلیفہ بغداد کی کیا مراد ہے اور ان مقطعات سے کس امر کی طرف اشارہ کیا  
گیا ہے قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن کو ان مقطعات سے کچھ بھی تعلق تھا، وہ سب  
پر غصی گئیں اور ان کے مفہیم و مطالب پر غور کیا گیا۔ لیکن اس خط کا مطلب سمجھ میں  
نہ آیا کچھ دیر بعد خواجہ ابوبکر ہستانی نے جنہیں ابھی سلطان محمود کے دربار میں کچھ زیادہ  
رسوخ حاصل نہ ہوا تھا، جرأت کر کے عرض کیا میرا خیال ہے کہ چونکہ آنجناب نے خلیفہ  
بغداد کو کوہ پیکر ہاتھیوں سے روند دینے کی دھمکی تھی اس لئے ممکن ہے کہ خلیفہ نے



اس کے جواب میں سورہ فیل کی طرف اشارہ کیا ہو۔ اور ان مقطعات سے "اللّٰہ  
تَزَكِيَّتْ فَعَلْ رُبُّكَ يَا خُصْبُ الْفِيلِ" مراد ہو۔ سلطان محمود نے جب یہ بات  
سنی تو اس کا ہوش جاتا رہا۔ جب ہوش آیا تو وہ بہت رو دیا اور خلیفہ بغداد کے  
قاصد سے معافی مانگی اسے بیش قیمت تحفے تحائف دے کر واپس بغداد روانہ کیا  
اور ابو بکر قہستانی کو قیمتی خلعت دے کر اپنے امیروں کے گروہ میں شامل کر لیا۔  
(از تاریخ فرشتہ جلد ۱۱ ص ۱۱۱)

خلیفہ بغداد کا خط بنام محمود :

جس سال سلطان محمود سفر سومنات سے کامیاب و کامران واپس آیا۔  
اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے سلطان کے نام ایک خط لکھا اور اسی کے  
ساتھ خراسان، ہندوستان، خیبر و خوارزم کا نوائے سلطنت بھی عطا کیا۔ اس  
خط میں خلیفہ نے سلطان محمود اور اس کے بیٹوں اور چھائیوں کو خطابات سے نوازا  
تھا۔ جن کی تفصیل یوں ہے :-

سلطان محمود :	کہف الدولۃ الاسلام
امیر مسعود :	امیر الدولۃ جمال الملۃ
امیر محمد :	جلال الدولۃ مؤید الملۃ
امیر یوسف :	عضد الدولۃ مؤید الملۃ

ولی عہدی کی اجازت :

ان خطابات کے علاوہ خلیفہ نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ :  
"تم جس کو اپنا ولی عہد بناؤ ہم بھی اس کو قبول کریں گے"

سلطان محمود کو یہ خط جس وقت موصول ہوا وہ اس وقت بلخ میں تھا۔ اس  
نے تمام مفتوحہ ممالک میں ان خطابات کا اعلان کیا۔ (از تاریخ فرشتہ جلد ۱۱ ص ۱۱۱)

علامہ خلافت التمش کے لئے :

۶۶۶ھ میں خلافت عباسیہ کے قاصد دہلی میں آئے اور انہوں نے  
التمش کو بارگاہ عباسی کی طرف سے بھیجا ہوا عامرہ خلافت پیش کیا۔ التمش نے اس  
مذہبی خلعت کی پوری پوری تعظیم و تکریم کی اور اس خلعت، فاخرہ کو زیب تن کر کے  
بے انتہا خوش ہوا۔ اس خوشی میں اس نے اپنے امیروں اور درباریوں کو خلعتوں اور  
علیوں سے نوازا اور تمام شہر کو دلہن کی طرح سجا کر جشن مسرت منایا۔

(از تاریخ فرشتہ ۱ صفحہ ۲۵۳/۲۵۴)

خلیفہ عباسیہ کا فرمان نیابت :

ذی الحجہ کے مہینہ میں ۶۵۷ھ میں خلیفہ عباسی الحاکم بامر اللہ ابو بکر بن  
ابی ربیع بن ابی سلیمان مصر کے حکمران کی طرف سے خلعت نیابت اور فرمان سلطنت  
بادشاہ کے نام آیا جس کی بادشاہ نے بے حد خوشی منائی اور عقیدت کے ساتھ قبول  
کرتے ہوئے اپنی سلطنت میں اس کا اعلان عام کر دیا۔

(از تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۵۴)

خلیفہ عباسی کا فرمان و خلعت محمد شاہ کے نام :

محمد شاہ نے خلیفہ عباسی کا بھیجا ہوا خلعت پہنا اور وہ فرمان بھی پڑھا گیا  
جس میں خلیفہ عباسی نے حاکم دکن کو اپنے نام خط پڑھوانے اور سکے جاری کرنے  
کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ بادشاہ نے خلعت و فرمان دونوں اپنے سر پر رکھے  
اور جو قاصد، امراء اور ایچی ان تبرکات (خلعت اور پر وانی) کو لے کر دکن میں  
لائے تھے ان پر بڑی نوازشیں ہوئیں۔



## سلاطین ہندوستان خلفاء بغداد سے سلطنت کی اجازتیں لیتے تھے

ان درج بالا واقعات کے بعد اس حقیقت پر مزید روشنی ڈالنے کی حاجت نہیں رہ جاتی کہ شاہان ہندوستان جو ہر لحاظ سے مضبوط و مستحکم بادشاہوں کے مالک تھے وہ اس اعتقاد و یقین کی بناء پر خلفاء بغداد سے اپنی حکومتوں اور بادشاہوں کے اجازت نامے حاصل کرتے تھے اور اپنی حکومتوں کو بغداد کے زیر سایہ رکھنے پر مصرح ہوتے تھے کہ ان کے نزدیک بھی اسلام کے لئے خلیفہ کا وجود ضروری تھا اور کوئی بھی حکومت خلافت سے منقطع ہو کر اسلامی و شرعی نقطہ نظر سے اپنے وجود کا جواز نہیں رکھتی۔

### علماء کا فریضہ :

تمام علماء کا فریضہ ہے کہ آپس میں متحد ہو کر خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کا آغاز کریں اور ہر اتفاق تمام سربراہوں سے قیام و بحال خلافت اسلامیہ کا مطالبہ کریں۔ اگر ان سربراہان نے اور مملکتوں کے سربراہ اور وہ ارباب اقتدار نے خلافت اسلامیہ کے نظام کو بحال کر دیا تو عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہو گا اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو عملی و توہمیں ہو جائیں گے مگر یہ سربراہان ممالک اسلامیہ ایک امام و خلیفہ کا تقرر نہ کرنے کی وجہ سے جاہلیت کی موت مر رہے کیونکہ انہوں نے اسلامی ریاست کے حقے بخرے کر کے جاہلیت کے دور کی یاد قائم کر رکھی ہے اور اس کے پیچھے ہوسر اقتدار کے سوا کچھ نہیں جس سے وہ مسلمانوں کے الگ الگ ٹکڑے کر کے اپنا شوق اقتدار پور کر رہے ہیں۔ علامہ کہتے ہیں کہ

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو

افوت کا بیال ہو جا محبت کی زباں ہوا

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی

تو اسے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

لہذا ہمارے لئے اسی نظام کو اختیار کرنا اور اسے اپنے معاشرے میں نافذ کرنا نہایت ضروری ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین نے ہمیں دیا اس میں ہماری نجات اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔

### مغربی جمہوریت کے ثمرات :

یہ نظام وہ ہے جس میں امیر غریب کا وہ فرق باقی نہیں رہتا جو مغربی جمہوریت میں دکھائی دے رہا ہے کہ ایک شخص تو اتنا امیر ہے کہ اس کی دولت اس کے اعداد و شمار سے باہر ہے اور اس کے پاس بے پناہ وسائل ہیں اور دوسرا ایسا غریب کہ اسے زندگی کی ضروریات تک میسر نہیں پھر حکمرانوں اور عوام کے درمیان اس حد تک فاصلے ہیں کہ دؤیرے جاگیردار اور با اثر لوگ تو حاکم وقت سے جب چاہیں ملاقات کر لیں اور اپنا کام لکوا لیں اور ایک غریب آدمی حکمرانوں تک براہ راست رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے اپنی مشکلات نہیں بتا سکتا۔ یہ جمہوریت مریہ دارانہ نظام ہے۔ سرمایہ داروں سرمایہ داری میں اضافہ کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

گر مئی گفتار اعضائے مجالس الاماں

یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ نگر

اس نظام کو صرف دؤیرے اور سرمایہ دار پسند کرتے ہیں کیونکہ وہ

دولت و سرمایہ کے ذریعے عوام کے ووٹ خرید کرتے ہیں پھر پارلیمنٹ کے ممبر بن کر نوٹ کھاتے ہیں اور وہ جاہل جو انگوٹھا بھی مشکل سے لگاتے ہیں یا جنہیں دین کی ضروریات کا کچھ پتہ نہیں، کلمہ تک درست نہیں پڑھ سکتے، جو دستور اور آئین



کے مفہوم تک سے ناواقف ہوتے ہیں وہ مجلس آئین ساز کے ممبر بن جاتے ہیں۔ اب تو ماشاء اللہ ممبران اسمبلی کی ماہانہ تنخواہیں بیس ہزار ہو گئی ہیں اور بغیر لائسنس کے انہیں اسلام رکھنے کی اجازت بھی دے دی گئی ہے اور ہمیشہ کے لئے دی آئی پی ہو گئے اور بغیر ڈیوٹی کے اپنے لئے بڑی بڑی گاڑیاں بھی منگوا سکتے ہیں۔ یہ اسمبلیاں دراصل وڈویروں کے ڈویرے اور جاگیرداروں کے مفاد کے سرچشمے ہیں ان کو غریبوں کی کیا فکر۔

ہم قارئین سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ نظام درست ہے یا خلافت کا وہ نظام جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ کہتے کہ دریائے فرات کے کنارے ایک اونٹ بھی بھوکا مر گیا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا ذمہ دار ہے۔ اور اپنے گورنروں کو ہدایت کرتے کہ بڑھیا لباس نہ پہننا اور بڑھیا سوارسی پر نہ بیٹھنا اپنے دروازوں پر دربان کھڑے نہ کرنا تاکہ غریب شخص قم سے ملنے میں کوئی گھبراہٹ، ہچکچاہٹ اور رکاوٹ محسوس نہ کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کسی گورنر کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ وہ رعیت کے بیماروں کی بیمار پرسی کو نہیں جانتا۔ وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْكَ الضَّعِيفُ نَزْعَةً (کتاب الحجاج ص ۱۱۱) اور یہ کمزور و غریب انسان اس سے نہیں مل سکتا تو آپ اس کو گورنری سے ہٹا دیتے تھے۔ یہ خلافت کا ہی نظام ہے جس کے چلانے والوں کا یہ عالم ہے۔

عرب خود را بہ نور مصطفیٰ سوخت

چراغِ مردہ مشرقِ بیدار و خفت

کہ افسوس کہ عرب نے جنہوں نے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے آپ کو جلا ڈالا یعنی اپنی انا ختم کر کے اپنے آپ کو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منور کر لیا۔ انہوں نے مشرق کے مردہ چراغ (جہودیت) کو روشن کرنا شروع کر دیا

ولیکن آں خلافت راہ گم کرد

کہ اول مومنان را شاہی آموخت

یعنی وہ اس خلافت کا راستہ بھول گئے جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کو شاہی سکھائی۔

خلافت بر مقام ماگو اسی است

حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است

کہ خلافت ہم مسلمانوں کے مقام کی گواہ بنی ہے جو ہم پر حرام ہے وہ بے لگام بادشاہی ہے۔

ملوکیت ہمہ مکاست و نیرنگ

خلافت حفظ ناموس الہی است

کہ بے لگام ملوکیت بالکل فریب ہے اور دھوکہ ہے جب کہ خلافت ناموس الہی (دین) کی حفاظت ہے۔

یہ جمہوریت اور خلافت کا بہترین موازنہ ہے جو علامہ اقبال نے پیش کیا اس سے خلافت کی عظمت بھی واضح ہو گئی اور جمہوریت کی خرابی بھی۔ اب اس کے بعد کہ حق واضح ہو گیا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی توفیق کے مطابق اس نظام خلافت کو بحال کرانے کی جدوجہد میں شریک ہو اور ایسے رفقاء تحریک احیاء خلافت کو معلوم ہو کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں بڑا درجہ پائیں گے لہذا وہ اس مشن کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور مطابق فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

مَنْ أَحْيَا سُنَّتِي عِنْدَ فُسَادٍ أُمِّتِي فَلَهُ أَجْرُ وَمِثْلُ مِثْلِهِ

”کہ جس نے میری امت کے فساد کے زمانے میں میری سنت (میرے نظام)

کو زندہ کیا اسے نئے شہیدوں کا ثواب ملے گا؟“



یقیناً آپ سوشلزم کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اس تحریک کا یہی منشور ہے اور آپ کے خلفاء راشدین نے اپنا یا، پاکستان کیلئے شمالی و نفاذ جو امیر و غریب کے فرق کو ختم کر دیتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں :-

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز  
نہ کوئی بسندہ رہا نہ کوئی بسندہ نواز

سہ گریز از طرز جمہوری، غلام پختہ کار سے شو

کہ از مغز و دھندلہ فکری انسانی نئے آید

یعنی اس (ملعون) جمہوری نظام سے گریز کرو، پختہ کار (خلافت) کے غلام بنو، کیونکہ جمہوریت کے ذریعے منتخب ہونے والے دو سو گدھوں سے ایک انسان کی فکری حاصل نہ ہوگی۔

ایکشن اور ممبری :

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی کلیات (بانگ درا) میں مغربی جمہوریت کے ایکشن اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ممبری کے بارے میں علامہ کا یہ کلام محلّ توجّہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

اتھا کر پھینک دو باسر گل میں      نئی تہذیب کے اندھے ہیں گندے

ایکشن، ممبری، کونسل، صدارت      بنائے خوب آزادی نے پھندے

میاں بخار بھی چھیلے گئے ساتھ      نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

اس سے پتہ چلا اور علامہ اقبال کا موقف بھی واضح ہو گیا کہ یہ ایکشن اور

یہ ممبریاں اور یہ کونسلیں اور یہ صدارتیں سب یورپ کے پھندے ہیں۔ اور اسلام کا نظام صرف خلافت ہے جو شورائی ہے۔

و نہت و نہت

مغربی جمہوریت تلوار بے نیام ہے :

پھر فرماتے ہیں :-

زمین زدہ اہل مغرب را پیامے      کہ جمہوریت است تیغ بے نیام  
"کہ میری طرف سے اہل مغرب کو پیغام پہنچا دو کہ جمہوریت بے نیام  
تلوار ہے"۔

چشم شیر کے کہ جہانہمی ستاند      تمیزِ مسلم و کافر نہ اند  
"کہ یہ وہ تلوار ہے جو مسلم و کافر کے درمیان فرق نہیں کرتی کیونکہ اس  
میں مسلم و کافر دونوں کا ووٹ برابر ہے"۔

نہ ماند در عنلائے خود زمانے      بُرد جان خود و جانِ جہانے  
"کہ یہ تلوار دیر تک غلاف میں نہیں رہتی۔ اپنی جان بھی تباہ کرتی  
ہے اور جہان کی جان بھی ضائع کرتی ہے"۔

ممبرانِ اسمبلی علامہ اقبال کی نظر میں :

ممبرانِ اسمبلی علامہ اقبال کی نظر میں کیا ہیں۔ ان کے کلام کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ جیسے اس جمہوریت سے بلاشبہ پاکستان دو ٹکڑے ہوا۔ اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے ممبرانِ اسمبلی کی باہمی دشمنی سے ہر سال ہیشمار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں، ایکشن کے موقع پر تو کئی لوگ قتل ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد باہمی قتل و غارت کا سلسلہ شروع رہتا ہی ہے اور اب بھی جاری ہے۔ شاطراں ایں گنج درآں رنج بر      ہر زمانہ اندر کھین یک دگر  
اس جمہوریت کے حامی چالاک و ڈیرے اور سرمایہ دار اسس  
جمہوریت کے لئے بے چین نظر آتے ہیں۔

اور سیاسی پارٹیاں ہر وقت ایک دوسرے کے



خلافت گھات میں چھپی رہتی ہیں۔

”فاش باید گفت سیر دلبران مامع و این ہمسہ سودگران  
”راز کو کھول، دل مگنی بات کہہ دینی چاہئے، ہم عوام مال ہیں، اور  
جمہوریت کے پرستار و ڈیرے ہیں۔“

”اے بے تقلید شس اسیر آزاد شو دامن قرآن بگبیر آزاد شو  
”اے مغرب جمہوریت کے پھندے میں پھنسے ہوئے انسان تو  
آزاد ہو جا، قرآن و خلافت کا دامن پکڑ آزاد ہو جا۔“

علامہ اقبال اس نظام سے آزاد ہو کر قرآن و سنت میں بیان کئے گئے نظام  
نظام خلافت سے وابستہ ہونے کا سبق دے رہے ہیں۔

خلافت ”حق بہ حقدار رسید“ کا دوسرا نام ہے :

مغرب کے جمہوری نظام میں تو دولت و سرمایہ کے ذریعے اقتدار حاصل کیا  
جاتا ہے جبکہ خلافت میں اقتدار ان کو ملتا ہے جو اس کے اہل ہیں۔ مطابق فرمان الہی :

إِنَّ اللَّهَ يُأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔

(سورہ نساء : ۵۸)

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کو دے دو جو ان کے  
اہل ہیں۔“

اقتدار صالحین کا حق ہے :

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے نظام میں اقتدار اہل لوگوں کو ملتا ہے  
اور اس کے اہل صالحین ہیں نہ کہ وڈیرے سرمایہ دار اور جاگیردار۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُرِثُهَا عِبَادٌ صَالِحُونَ (الانبیاء : ۱۰۵)

”بے شک زمین اللہ کی ہے اس کے (اقتدار کے) وارث میرے  
صالحین بندے ہیں۔“

اور یہ بھی مسلم ہے کہ صالحین میں سیر فہرست علماء دین میں جنہیں رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا۔

سیاست اور علماء کرام :

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سیاست علماء کا کام نہیں، کیونکہ سیاست میں  
جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے۔ لہذا سیاست سے علماء کو دور رہنا چاہئے۔ یہ  
دراصل انگریزوں کی فکر ہے جس سے سیاست کے مفہوم میں جھوٹ کو شامل  
کر دیا ہے ورنہ سیاست جھوٹ بولنے کا نام نہیں بلکہ جھوٹ بولنے والا سیاست  
کے قابل ہی نہیں، انگریز کے پروردہ اور انگریزوں سے جاگیریں حاصل کرنے  
اور انگریزی ماحول میں پلنے والوں اور بے دینوں کے حلقوں کی طرف سے یہ  
افواہ پھیلائی گئی ہے کہ سیاست میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے جس سے بعض سادہ لوح  
مسلمان بھی متاثر ہو کر ایسی باتیں کرتے ہیں اور یہ عیسائی اور یہودی لابی کا  
پراپیگنڈہ ہے تاکہ مسلمانوں کے علماء سیاست سے الگ تھلگ رہیں اور دین اسلام  
سے جاہل و ڈیرے ہی سیاست کریں تاکہ وہ غیر مسلم طاقتوں کے آلہ کار رہیں  
اور دنیا میں دین کا نظام نافذ نہ ہو۔ جیسے عیسائی اور یہودی لابی نے اپنے ہاں  
بھی دین اور سیاست کو الگ کر رکھا ہے، جبکہ اسلام میں ایسا کوئی تصور  
نہیں ہے کہ دین الگ اور سیاست الگ ہے بلکہ اسلام میں دین اور سیاست  
لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے :

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو  
جدا ہو دین سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی



اس کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اوپر فرمان  
 گزر رہا ہے کہ ”زمین اللہ کی ہے اس کے وارث میرے صالحین بندے ہیں“  
 یہ جمہوری نظام ہے جس میں ووٹ دولت سے لئے جاتے ہیں یا نسل پرستی  
 اور برادری پرستی سے۔ قوم نے دین و مذہب کو پیچھے کر دیا ہے جس کی وجہ سے  
 علماء و علماء جو مذہب کے راہنما ہیں ان ایکشنوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اسی لئے  
 ہمارا ملک ترقی نہیں کر رہا بلکہ روز بروز تباہی کی طرف جا رہا ہے۔

علامہ اقبال کی صدا :  
 علامہ اقبال فرماتے ہیں،

۱۔ چھوڑ کر داخل حصہ دین میں ہو  
 ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا شر  
 ۲۔ ایک ہون مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے  
 نیل کے ساحل سے یکے تا بجاک کا شفر  
 ۳۔ جو کرے گا اعتبار رنگ و خن مٹ جائیگا  
 ترک خرگاہی ہو یا غمراہی والا گہر  
 ۴۔ نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی  
 اؤ گیا دنیا سے تو مانند خاکست رنگد  
 ۵۔ تا خلافت کی بسند دنیا میں ہو پھر ہتوار  
 لاکھوں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب جگر

سیاست ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کا اہم مشن رہا ہے :

قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ملی۔ انہوں نے  
 خلافت کی اور خلافت حکومت ہی کا نام ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے خلافت

کی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساری دنیا پر حکومت کی ہے۔ حضرت یوسف  
 علیہ السلام نے عزیز مصر سے کہا کہ تم سے ملک کا نظام نہیں چل رہا، تم فیل بونچکے ہو  
 حکومت میرے سپرد کرو۔ میں تمہیں کامیاب حکومت کر کے دکھاؤں گا۔ چنانچہ  
 انہوں نے بھی حکومت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں حکومت کے  
 بغیر تھے تو اسلام کو فروغ نہ ملا مگر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور سرزمین مدینہ پر  
 اپنی حکومت قائم فرمائی۔ آپ نے بھی حکومت کی مسجد نبوی کی امامت و خطابت کا  
 فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے اور حکومت بھی کرتے تھے۔ آپ کے پردہ فروانے کے بعد  
 آپ کے خلفاء راشدین نے خلافت و حکومت کی جو علماء و فقہاء تھے۔ ساتھ ہی  
 مسجد نبوی کے امام و خطیب بھی تھے۔

انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو  
 سیاست کی تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ :  
 ان بنی اسرائیل کانت تسوس سجد الا نبیاء کلہما اھلک  
 نبی خلعت نبی و ائمہ لا نبی بعدی سیکون خلفاء فتکثر۔  
 (مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۹۵)

بلاشبہ بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے۔ جب  
 کبھی کسی پیغمبر نے دنیا سے پردہ فرمایا اس کے پیچھے دوسرا پیغمبر آگیا  
 اور میری شان یہ ہے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں۔ بلاشبہ میرے بعد  
 خلفاء بہت ہوں گے :

دوسری حدیث شریف میں ہے جو اسی مضمون کی ہے کہ بنی اسرائیل کی  
 سیاست ان کے پیغمبر فرماتے تھے۔ جب کبھی کوئی پیغمبر گیا اس کی جگہ دوسرا پیغمبر  
 آگیا۔



وانه ليس كائن بعدى نبى فيكم، قالوا فما يكون  
يا رسول الله؟ قال تكون خلفاء فيكثروا۔

(سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ص ۲۱۵)

”اور بلاشبہ میرے بعد تم میں کوئی نبی ہونے والا نہیں، صحابہ نے  
عرض کیا تو کیا ہوگا؟ یا رسول اللہ! فرمایا خلفاء ہوں گے۔ پس بہت ہوں گے۔  
اس کے بعد تیسری حدیث صحیح بخاری و مسلم و شرح السنہ میں ہے۔ اس کا  
مضمون بھی یہی ہے کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔ جب  
کبھی کوئی پیغمبر دنیا سے رخصت ہوا اس کے پیچھے دوسرا پیغمبر آگیا اور بلاشبہ میرے  
بعد کوئی نبی نہیں۔

وسیکون خلفاء فيكثرون قالوا فما تأمرنا؟ قال  
فوا ببيعة الاول فالاول، اعطوهم حقهم فان الله سائلهم  
عما استرعاهم (صحیح البخاری جلد ۲ ص ۲۹۱)

(مسلم جلد ۲ ص ۱۳۶) (شرح السنہ جلد ۱ ص ۵۱)

”اور میرے بعد خلفاء ہوں گے، پھر بہت ہوں گے، صحابہ نے  
عرض کی کہ ہمیں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا پہلے خلیفہ کی بیعت  
کرنا، پھر اس کے بعد والے پہلے کی، اسی طرح آخر تک یہ سلسلہ چلتا  
رہے۔ تم نے ان کا حق ان کو دینا ہوگا یعنی (بھلائی میں ان کی اطاعت  
کرنا ہوگی) پس اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری ان کو سونپی ہوگی اس کے  
متعلق وہ خود ہی ان سے پوچھے گا۔“

امام ابن ابی حمزہ کی تشریح :

امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حمزہ عظیم الشان محدث اور مقرر فی علیہ الرحمۃ

متوفی ۲۹۹ھ اپنی مشہور کتاب ”بہجت النفوس میں اس حدیث کی شرح  
کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بخوف طوالت اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔  
”ظاہر حدیث میں تین احکام پر دلالت کرتا ہے۔“

(۱) پہلا یہ کہ اس میں خبر دی گئی ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل بہ کثرت ہوئے  
اور یہ بنی اسرائیل کی سیاست فرماتے تھے جب کوئی نبی دنیا سے  
رخصت ہوتا اس کے پیچھے دوسرا نبی آجاتا۔“

(۲) دوسرا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ آخری نبی  
ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔“

(۳) تیسرا یہ کہ آپ کے بعد آپ کے خلفاء بکثرت ہوں گے اور آپ نے یکے  
بعد دیگرے ان کی بیعت کرنے اور ان کے حقوق ادا کرتے رہنے کا حکم  
دیا ہے اور ان حقوق کو جو ان پر عائد ہوتے ہیں نظر انداز کرنے کا حکم ہے  
حتیٰ کہ اللہ جل شانہ ہی ان سے پوچھے گا۔“

سیاست کا معنی اور اس کے اہل :

اس اجمال کی تفصیل کے کئی پہلو ہیں جن پر گفتگو ہوگی۔

ان میں سے ایک یہ کہ سیاست کے معنی کیا ہیں؟ سیاست کے معنی یہ  
ہیں کہ انبیاء علیہم السلام انہیں وہ راستہ دکھاتے تھے جس پر چل کر بنی اسرائیل  
عذاب الہی سے نجات پائیں اور وہ انہیں شفقت اور نرمی سے نجات کے راستہ  
پر چلنے کی ترغیب دیتے تھے جیسے جانور کا مالک اسے سدھاتا ہے اور اسے اچھے  
راستہ پر چلاتا ہے اور اسے اچھی عادتیں سکھاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم کے اس خبر کے دینے میں یہ حکمت ہے آپ امت کو اشارہ دے رہے ہیں  
کہ میرے بعد ایسا کوئی نبی نہیں جو تمہاری سیاست کی ذمہ داری اٹھائے لہذا تمہیں



اپنی سیاست سے غافل نہ ہونا چاہئے اور جو ہدایات تمہیں دی گئی ہیں ان پر سختی سے عمل کرنا چاہئے۔ اس مضمون سے متعلق کئی ایک حدیثیں آئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے تم میں دو بڑی عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں تم جب تک انہیں حقارے نہ ہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری میری عترت میرے اہل بیت (ایک حدیث میں ہے دوسری میری سنت) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے لئے انبیاء کے قائم مقام ہوں گی جو بنی اسرائیل کے لئے تھے (اور ان کی سیاست کرتے تھے) گویا اب تمہاری سیاست قرآن و سنت کے تابع ہوگی (اور ایک دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔“  
اس کا معنی یہ ہے کہ:

عَلَمَاءُ هَذِهِ الْأُمَّةِ تَسُوهُمْ وَتُشَدِّهِمْ إِلَى طَرِيقِ الْحَقِّ كَمَا كَانَتْ أَنْبِيَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔

”کہ میرے بعد اس امت کی سیاست اس امت کے علماء کریں گے۔“

اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے علماء اور بنی اسرائیل کے انبیاء کے درمیان مماثلت و مشابہت ہے یہ مطلب نہیں کہ انسانوں میں سے کوئی ایسا ہو جس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ کے برابر ہو۔ بلاشبہ انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ اونچے اور بلند درجہ والے ہوتے ہیں۔ دوسری بات جو اس حدیث سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ سیاست ہی اچھا طریقہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء کو اپنی دم کے حسن نطق کے ساتھ معاملہ کرنے والا بتایا اور یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے جو آپ نے انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں صادر فرمایا کہ ان کے تمام انبیاء ان کی سیاست فرماتے تھے اور سیاست کی توفیق ایسے انسان سے ہی ممکن ہے جس کی طبیعت میں بہترین اخلاق رکھے گئے ہوں (جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان خلقہ القرآن کہ ”آپ کا خلق قرآن ہے“ تو جس نے قرآن کے علوم اپنے سینے میں جمع کر لئے وہ بہترین اخلاق کا مالک ہو گیا۔ لہذا سیاست کرنا اسی کے شایان شان ٹھہرا اور اس حدیث سے تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امت کے علماء کا بڑا درجہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، آپ نے فرمایا امت کے علماء کو اپنی امت کی سیاست اور راہنمائی کے لئے ایسے قرار دیا جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء بنی اسرائیل کے لئے اور اس حدیث سے چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ تقدیر اہل الدین علیٰ غیرہ“ سیاست میں علماء دین کو آگے رکھا اور ان کو دوسروں پر فوقیت دی جائے۔

(از مجموعہ النفوس ج ۲ ص ۵۰، ۵۱، ۵۲ ملخصاً)

نماز کے امام عالم دین کو ہی سیاست میں امام ہونا چاہیئے؛  
امام ابن ابی حمزہ کی حدیث مذکور کی روشنی میں اس تفصیلی بحث سے ثابت ہوا کہ سیاست دراصل انبیاء علیہم السلام کی شان ہے اور ان کے بعد ان کے وارثین علماء دین ہی سیاست کی ذمہ داری صحیح طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو ساتھ ہی فرمایا کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی خلافت و اقتدار کا حقدار سمجھتے ہیں۔ ایک تو اس لئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ



وآلہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں اور دوسرے اس لئے کہ ان کا درجہ و مرتبہ ہم سب سے بلند ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان کو اپنے مصلح پر کھڑا کر کے انہیں لوگوں کی نماز کا امام بنایا۔

(البدایہ والنہایۃ ج ۴ ص ۳۴)

ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

الناس معادن كعادن الذهب والفضة خيارهم  
في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا -

مشکوٰۃ شریف : حصہ ۳۲ کتاب العلم

”لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح کانیں ہیں جو جاہلیت میں ان کا سردار ہو گا وہ (مسلمان ہونے کے بعد) اسلام میں سزاوار ہو گا جبکہ علم حاصل کریں اور فقہ کے عالم ہو جائیں۔“

اس حدیث کی شرح میں امام علی بن سلیمان الفاری علیہ الرحمۃ متوفی ۱۴۱ھ لکھتے ہیں (اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

لفظ معادن، معدن کی جمع ہے۔ لوگوں کو سونے اور چاندی کی کانیں اس لئے فرمایا جیسے کانیں سونے اور چاندی کا ٹھکانہ ہوتی ہیں اور وہاں سونے اور چاندی کے خزانے چھپے ہوتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے سینے اور دل و دماغ بھی اخلاق و عادات کے ٹھکانے ہوتے ہیں اور ان کے سینے اخلاق و عادات کے خزانے ہوتے ہیں تو جو شخص علم میں زیادہ استعداد رکھتا ہوگا اس کی استعداد و وسوسوں کے مقابل میں زیادہ قوی ہوگی۔ آپ نے جو فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگوں کے

راہنما اور سردار ہیں وہ اگر اسلام قبول کر لیں تو اسلام میں ہمیں وہ لوگوں کے سردار اور راہنما ہوں گے بشرطیکہ وہ اسلام میں آنے کے بعد اپنے سینوں میں قرآن و سنت کے علوم جمع کر کے علماء و فقہاء ہو جائیں، اس میں اسلام میں سرداری اور راہنمائی کے لیے قرآن و سنت کے علوم کے حامل ہونے کی شرط لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانوں میں کسی کے سردار اور راہنما ہونے کا دار و مدار نسب قبائلیت اور برادری پرستی تھی جبکہ اسلام میں کسی کے سردار اور راہنما ہونے کا دار و مدار اور قاعدہ ہونے کی بنیاد نسب و برادری اور قبائلیت نہیں ہے بلکہ حسب ہے (یعنی قرآن و سنت کے علوم کا حامل ہونا..... لفظ "فَقِہْرًا" قاف کی کسرہ (زیر) سے جاننے کے معنی میں ہے اور قاف کے پیش (ضمہ) کے ساتھ فقیہ و عالم شریعت ہونے کے معنی

(المَرْقَةُ شَرِيفٌ جِلْدًا ص ۷۳) میں ہے)

ثابت ہوا کہ (قرآن و سنت) کا علم رکھنے والے ہی اقتدار کے محقق ہیں  
نہ کہ جاہل و ڈیرے اور سرمایہ دار۔

قرآن و سنت سے بے خبر مسر براہ  
اسلام کی خدمت نہیں کر سکتا

جو شخص قرآن و سنت سے ناواقف ہے اگر دوسرا براہ ہو جائے تو وہ ملک میں اسلام کا قانون نافذ نہیں کر سکتا۔ وہ اسلام کی خدمت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایسے شخص کو خلیفہ بنایا گیا جو علم میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اگر وہ قرآن و سنت سے ناواقف ہوتے تو صحابہ ان کو سرا براہ مملکت ہی نہ بناتے اور قرآن و سنت سے واقفیت کیلئے عربی زبان



پر عبور ضروری ہے۔ اگر عربی زبان پر عبور نہ ہوا تو قرآن و سنت کا علم نہ ہوگا اور جسے قرآن و سنت کا علم نہیں وہ جاہل ہے اور جاہل شخص شریعت کے احکام نافذ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ہر اس شرح عقائد میں ہے "لا سيما اذا كان جاهلا بهما" کہ خصوصاً جبکہ شریعت کے احکام سے جاہل ہو وہ شریعت نافذ نہیں کر سکتا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے عوام اور وڈیرے یہودیوں کے مسک پر گامزن ہیں اور اقتدار کے لئے قرآن و سنت کے علم والوں کی بجائے سرمایہ داروں صنعت کاروں، سرگسروں، غنڈہ گردی، نوالوں اور جاگیر دار جاہلوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور یہی یہود کا خیال تھا۔ جب حضرت طاہر کو حضرت شموئیل علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا گیا تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ:

أَنِّي يَكُونُ لِي الْمُلْكُ عَلَيْكَ وَتَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنِّي وَلَمْ يَأْتِ سَعَةَ مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ عَلَيْكُمْ وَرَآدَا بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرة: ۲۴۷)

"کہ وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے اور ہم اس سے بڑھ کر بادشاہی کے حقدار ہیں اور اسے تو مالی وسعت نہیں دی گئی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر بادشاہت کے لئے اسے چن لیا اور اسے تم سے بڑھ کر علم اور جسمانی توانائی دی ہے۔"

اقتدار کے لئے دولت مندوں کا انتخاب یہودیت ہے:

بنی اسرائیل کے سرداروں اور وڈیروں نے طاہر کے اقتدار پر اعتراض کیا تھا کہ نبوت تو لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں چل آ رہی ہے اور سلطنت یہود بن یعقوب کی اولاد میں اور طاہر ان دونوں خاندانوں سے نہیں ہے

اور یہ کہ وہ ایک غریب آدمی ہے وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اقتدار وراثت نہیں کہ کسی نسل و خاندان سے مختص ہو اور نہ ہی دولت مندوں کا حق ہے بلکہ یہ علم والوں کا ہی حق ہے طاہر چونکہ تم میں زیادہ علم والے اور جسمانی طور پر توانا ہیں اس لئے اقتدار کے وہی مستحق ہیں۔ اس واقعہ سے جو ایک حقیقت مسلمہ ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ:

اللہ اپنے بندوں کے لئے جو نظام حکومت اتار رہا ہے اس میں دولت مندی سرمایہ داری اور نسل امتیاز و برادری پرستی کا کوئی تصور نہیں۔

جمہوریت پرست سرمایہ داروں کی سینہ زوری:

حقیقت یہ ہے کہ یہ جمہوریت کے پرستار سرمایہ داروں کی سینہ زوری ہے کہ وہ عوام کے پیسے سے عوام کے ووٹ خرید کر عوام پر مسلط ہو کر ان پر حکومت کرتے ہیں کیونکہ یہ تمام وڈیرے سرمایہ دار ملک کے خزانے سے کروڑوں بلکہ اربوں روپے کے قرضے لے کر اپنے سرمایہ دولت میں بے پناہ اضافہ کر کے امیر سے امیر تر ہوتے ہیں پھر اس عوام کے پیسے سے عوام کے ووٹ خریدتے ہیں اور حال ہی میں اسمبلی کے ان ہوکس پرست ممبروں نے اپنے حق میں یہ بل پاس کیا ہے کہ اب ہر ممبر کی تنخواہ ہوگی یعنی ۹ ہزار کی بجائے ۸ ہزار ہوگی وہ بھی ۱۹۷۵ء سے یعنی ۱۹۹۲ء کا پاس کیا ہوا "مرعات بل" ۱۹۷۵ء سے نافذ تصور ہو گیا۔ یوں اسمبلی کے نام نہاد ممبران ۸ سالہ ماضی کی تنخواہیں بھی وصول کر لیں گے لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔ پھر یہ کہ وہ ٹیلیفون کے بل ادا نہیں کیا کریں گے اور یہ کہ وہ لائسنس کے بغیر اسلحہ رکھ سکیں گے پھر یہ کہ وہ ہمیشہ کے لئے وی آئی پی ہوں گے۔ پھر یہ کہ وہ باہر سے قیمتی گاڑیاں بغیر ڈیوٹی کشم ادا کئے منگوا سکیں گے۔ شرم، شرم، یہ قوم کے نمائندے ہیں۔ قوم پریشان حال، بھوکا مرد ہی ہے۔



اور یہ اپنی عیاشیوں میں مشغول ہیں۔ امہلی مہران کی اس ہوس پرستی سے پوری قوم کا سرندامت سے جھجک گیا ہے۔

میرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستان کا

وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

ملک کا خزانہ عوام کی ملکیت ہے :

جبکہ ملک کے خزانے کا نہ تو صرف وزیر اعظم مالک ہے اور نہ صدر مملکت اور نہ ہی ان کا کوئی وزیر و مشیر کہ یہ لوگ جہاں چاہیں، جس قدر چاہیں اور جب چاہیں خرچ کرتے پھر جس بلکہ خزانہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ مال ہے اور اس میں ہر شخص کا حصہ ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں ہے :

(۱) ائمنہ مال العامة  
لہذا یہ جلد ۲ ص ۵۵  
کہ ملک کا خزانہ تمام مسلمانوں کا مال ہے۔

(۲) ان مال بیت المال مال  
العامة ای عامة الناس  
(یعنی شرح ہدایہ جلد ۲ ص ۵۵)

(۳) سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :  
فما من احد الا وله فی  
هذا المال حق

(فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۲ ص ۵۵)

(۴) مال بیت المال مال  
المسلمین -  
(شرح الفقاریہ جلد ۲ ص ۵۵)

(۵) فان له نصيبا من بيت  
المال -  
کہ بلاشبہ قومی خزانے میں ہر شخص کا حصہ ہے۔

(جامع الرموز جلد ۲ ص ۵۴)

(۶) ائمنہ مال لكافة  
المسلمين  
کہ قومی خزانہ تمام مسلمانوں کا مال ہے۔

(المجمر جلد ۲ ص ۵۹)

(۷) ان له فيه ملكا حقا  
(بدائع الصنائع جلد ۲ ص ۵۵)  
کہ قومی خزانے کا ہر مسلمان مالک و مقدر ہے۔

(۸) ان له فيه شركة حقيقة فان مال بيت المال مال  
المسلمين وهو منهم واذا احتاج ثبت له الحق فيه بقدر  
حاجته (تبيين المقتضى جلد ۲ ص ۳۱۸)

”کہ ملک کے قومی خزانے میں ہر شخص کا حصہ ہے حقیقتہً کیونکہ قومی خزانہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے اور ہر شخص اس میں حصہ دار ہے اور جب کسی کو ضرورت ہوگی تو اس کی ضرورت کے مطابق اس کا حق قومی خزانہ میں واجب ہو جائے گا۔“

(۹) فانه مال بيت المال مال المسلمين فانه اذا احتلج  
يثبت له الحق فيه بقدر حاجته وفي الكتاب روى عن  
علي بن ابي طالب قال ان له فيه نصيبا -

(المبسوط جلد ۹ ص ۱۸۸)

”بلاشبہ قومی و سرکاری خزانہ تمام مسلمانوں کا مال ہے تو جب کسی مسلمان کو ضرورت ہوگی تو اس کی ضرورت کے مطابق اس کا حق



قومی خزانے میں واجب ہو جائے گا۔ اور کتاب الاصل امام محمد علیہ الرحمۃ میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قومی خزانے سے ہر مسلمان کا حق ہے۔

(۱۰) امام بخاری کے استاذ امام عبد الرزاق کی مصنف شریف میں ان کی حدیث کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

لہ فیہ نصیب  
کہ قومی خزانے میں ہر شخص کا  
حق ہے۔

(۱۱) اسی میں امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

ان لہ فیہ نصیباً۔  
کہ بیشک بیت المال (قومی خزانے)  
میں ہر شخص کا حق حصہ ہے۔

(۱۲) اسی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ،

فان لہ فیہ حقاً۔  
بیشک قومی خزانے میں ہر شخص  
کا حصہ ہے۔

(المصنف للإمام عبد الرزاق جلد ۱۰ ص ۲۱۳)

(۱۳) شیخ الاسلام امام ذکریا انصاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

ان لہ فیہ حقاً لان ذلک قد یصرف فی عساکر  
الرباطات والقناطر فیستفیع بها الغنی والفقیر  
من المسلمین لان ذلک مختص بجم۔

(مشرع المنہاج جلد ۵ ص ۱۲۲)

”بلاشبہ قومی خزانے میں ہر شخص کا حق یہ اس لئے کہ کبھی قومی خزانے

سے مساجد اور مدارس، مسافر خانوں اور مکلوں کی تعمیر پر خرچ کیا جاتا ہے تو اس سے مسلمانوں کے غنی اور فقیر، مالدار اور غیر مالدار فائدہ اٹھاتے ہیں کہ یہ انہی کے ساتھ مختص ہے۔“

مطلب یہ کہ قومی خزانے سے ملک کے ہر غنی و مالدار اور ہر غریب و نادار کا حق وابستہ ہے جس سے وہ بالواسطہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ قومی خزانے سے مساجد، مدارس، مسافر خانے، پبلک سڑکیں ایسی رفاہی چیزیں تعمیر کی جاتی ہیں جن سے امیر و غریب برابر فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی براہ راست فائدہ اٹھاتے ہیں جب کسی ضرورت مند کو ضرورت ہو تو اسے اس کی ضرورت کے مطابق قومی خزانے سے دیا جائے گا۔ مثلاً ذاتی مکان کے لئے جائیداد کا خریدنا اور اس پر مکان تعمیر کرنا اور اسے خود کفیل ہونے یعنی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے دینا تاکہ وہ کاروبار کر کے اپنی اور اپنے کنبہ کی کفالت کے قابل ہو جائے۔ یہ اس کا حق ہے اس پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ ریاست کی ذمہ داری میں آتا ہے۔ مگر ہمارے ملک میں یہ سسٹم کی بات ہے کہ ایک امیر اور سرمایہ دار کو اپنی امارت اور سرمایہ میں بلا ضرورت اضافہ کرنے کے لئے کروڑوں بلکہ اربوں روپے قومی خزانے سے دیئے جاتے ہیں اور بعد میں ارباب اقتدار سے مل کر حیلوں حربوں سے وہ قرضہ معاف کرا لیتے ہیں مگر غریب بیچارہ یوں ہی مارا پھرتا ہے۔ اس کے لئے قومی خزانہ کے دروازے بند ہیں اور سرمایہ دار سے جو اسے مزدوری یا حکومت کے خزانے سے تنخواہ ملتی ہے وہ اس قدر قلیل ہوتا ہے کہ اس سے اس کی گھریلو ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ یہ سب نام نہاد جمہوری نظام کے کرشمے ہیں۔



## علامہ اقبالؒ اور سرمایہ دار :

- ۱۔ بندہ مزدور کو جا کر میرا پیغام دے
- ۲۔ حضور کا پیغام کیا ہے یہ پیغام کائنات
- ۳۔ اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
- ۴۔ شایخ آہو پر ہی صدیوں تک تیری برات
- ۵۔ دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
- ۶۔ اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
- ۷۔ کمر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
- ۸۔ انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

جبکہ اسلام کے نظام معیشت میں ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق ماہانہ وظیفہ دینے کا حکم ہے، کیونکہ اسلام کا نظام معیشت، کفالتی نظام ہے تنہا ہی نظام نہیں اور یہ انقلاب خلافت اسلامیہ کی بحال کے ذریعے لایا جاسکتا ہے۔ اس لئے محنت کش کو اس نظام کی بحالی کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہئے۔

۹۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں :

اٹھ کہ اب بزم چہاں کا اور ہی انداز ہے  
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

## ملوکیت اور اسلام

اسلام نے ملوکیت سے مطلقاً منع نہیں کیا، بلکہ اسلام میں ایسی ملوکیت منع ہے جو مطلق العنان ہو جس میں اسلام کے احکام کا نفاذ نہ ہو جس میں عدل و انصاف نہ ہو، بادشاہ اسلام کے قوانین کا پابند نہ ہو علامہ اقبال علیہ الرحمۃ مغربی جمہوریت کے ساتھ ساتھ ایسی ملوکیت کی بھی مذمت کر رہے ہیں جبکہ علامہ نے ایسی ملوکیت کی تعریف کی ہے اور ایسے بادشاہوں کی بھی تعریفیں کی ہیں جو عدل و انصاف کرنے میں بڑے بہادر رہتے۔

درج ذیل شعروں میں علامہ اقبال سلطان محمود غزنوی کی مساوات و انصاف پسندی کو بیان فرما رہے ہیں :

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بے بندہ رہا اور نہ بے بندہ نواز

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

کوئی دیکھے تو میری نے نوازی

نفس ہندی، مقام نغمہ، تازی

نگہ آلودہ انداز افرونگ !

طبیعت غزنوی، قسمت ایازی

اس میں علامہ نے اپنے آپ کو سلطان محمود غزنوی کی طبیعت کا حامل اور ایازی قسمت کا مالک قرار دیا ہے کیونکہ سلطان محمود غزنوی ایک عالم و فاضل



انتہائی عادل بادشاہ تھا۔

مقام محمود :

سلطان محمود غزنوی کی سلطانی و ملکیت اللہ تعالیٰ کی رحمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ تھی کہ آج کی جمہوریت اس کے دربار کی ایک ادنیٰ اسی لونڈی کے پاؤں کی گر دراہ کے مقام کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ سلطان محمود اسلام کے ان بادشاہوں میں سے ہیں جن کی سلطانی و ملکیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ قرار دیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

ملوکیت کو علی الاطلاق بُرا نہیں کہنا چاہیے :

لہذا ملکیت کو علی الاطلاق بُرا نہیں کہنا چاہیے۔ نفس ملکیت کا جواز خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۴۶ میں ہے کہ

بنی اسرائیل کے مطالبہ پر کہ ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کیا جائے جس کی کمان میں وہ جہاد کا فریضہ انجام دیں تو ثمویل علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے جناب طاوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کر دیا جو حضرت ثمویل علیہ السلام کی ہدایات پر چلتا تھا اور بنی اسرائیل کی راہنمائی کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ایسی ملکیت اور بادشاہی نہ صرف جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو پیغمبر کی ہدایات و تعلیمات پر قائم ہو اور عوام کو بھی ان ہدایات و تعلیمات کا پابند کرے۔ جن علماء اور فقہاء اور بزرگوں نے بعض بادشاہوں کی تعریفیں کی ہیں وہ بادشاہ ایسے ہی تھے اور ان بادشاہوں کے خلاف کہیں تاریخ میں کوئی مواد اگر ملتا ہے تو غلط و مبالغ آمیزی ہے یا واقعات کو غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے یا دشمنان اسلام کا ملاوٹ کر دیا ہے تاکہ سلاطین اسلام کو بدنام کر کے اسلام پر حرف گیری کی جائے۔ علماء دین و ائمہ دین کسی ظالم بادشاہ کی

مدح سراہی کرنے والے نہیں۔ اگر کسی کی مدح سراہی ہوتی ہے تو وہ ان کے نزدیک شرعی و اسلامی نقطہ نظر سے واقعی لائق تعریف تھے۔ ایسے بادشاہوں کی ملکیت کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

السلطان ظل الله في الارض فمن اكرمہ اكرمہ الله  
ومن اهانہ اهانہ الله۔

ترجمہ : ”عادل و ایماندار بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے تو جس نے اس کی تعظیم کی اللہ اس کو عزت دے گا اور جس نے اس کی توہین کی اللہ اسے ذلیل کرے گا۔“

(طبرانی و بیہقی کی حدیث صحیح ہے جامع صغیر جلد ۲ ص ۱۳)

سلطان محمود غزنوی کو خواب میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت

سلطان محمود غزنوی کے مقام کی بات چلی تھی اسے ہم مکمل کرتے ہیں :-  
علامہ اقبال نے آپ کو سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کی طبیعت کا حامل قرار دیا ہے یہ اس بادشاہ کے ساتھ بحد عقیدت کا مظاہرہ ہے، سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ تاریخ فرشتہ میں طبقات ناصری کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلطان محمود اس مشہور حدیث ”الْعُلَمَاءُ وَرَقَّةُ الْأَنْبِيَاءِ“ کہ علماء دین نبیوں کے وارث ہیں اور قیامت کے بارے میں اور اپنے سبکدگین کے بیٹھ ہونے کے بارے میں علم الیقین سے بڑھ کر حق الیقین کا طلبگار تھا۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود اپنی قیام گاہ سے نکل کر پیدل ہی



کہیں جا رہے تھے۔ خادوم سونے کا شمعندان لے کر اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسہ میں بیٹھا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ اس طالب علم کے پاس جیلانے کے لئے تیل نہ تھا اس لئے وہ پڑھتے پڑھتے جب بھول جاتا تو ایک بننے (ہندو) کے چراغ کے پاس آکر اپنی کتاب کو پڑھ لیتا۔ سلطان محمود کو اس نادار و غریب طالب علم کی حالت پر رحم آیا اور اس نے وہ سونے کا شمعندان جو خادوم نے اٹھا رکھا تھا اس طالب علم کو دیدیا۔ جس رات کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو خواب میں سلطان محمود کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور نے محمود سے فرمایا:

”اے ناصر الدین (دین کی مدد کرنے والے بادشاہ) سب جنگیں کے بیٹے خدا تعالیٰ تجھ کو قیامت کے دن ویسی عزت دے جیسی تُو نے میرے ایک وارث کی قدر کی ہے؟“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے سلطان محمود کے دل میں مذکورہ بالا تین باتوں سے متعلق یقین میں بے حد اضافہ ہوا اور اسے مطلوبہ حق الیقین حاصل ہو گیا (تاریخ فرشتہ جلد ۱ ص ۱۴۵ برتیسیر سیر) سلطان محمود غزنوی کا عدل:

سلطان محمود غزنوی کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ اسے ناقابل تردید دلیل سے جب معلوم ہوا کہ اس کا سگا بھانجا اس کی رعیت کے غریب آدمی کی بیوی سے زبردستی بدکاری کرتا ہے تو سلطان محمود غزنوی نے قسم کھالی کہ جب تک اس بدکاری میں مبتلا بھانجے کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کر دوں گا پانی نہیں پیوں گا چنانچہ اس غریب آدمی کی اطلاع پر اس کے گھر خفیہ طور پر پہنچا اور اپنے بھانجے کو بدکاری میں مبتلا پایا تو اپنے ہاتھ کی تلوار سے اس کا سر قلم کر ڈالا۔ پھر پانی پیا۔

(تاریخ فرشتہ جلد ۱ ص ۱۴۵ تا ۱۴۸)

نیز محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کے علاوہ بھی علامہ نے اپنے کلام میں کئی ایک نیک بادشاہوں کی تعریفیں کی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہی بُری ہے جس میں ظلم و ستم ہوں اور اسلام کے احکام کی پابندی نہ ہو۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے:

السلطان العادل المستواضع ظل اللہ و رحمہ فی الارض یرفع اللہ لہ عمل سبعین صدیقاً۔

(جامع صغیر جلد ۲ ص ۳۷)

”کہ عدل و انصاف کرنے والا منکسر المزاج بادشاہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ اور اس کا نیزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے شتر صدیقین کا عمل بلند فرماتا ہے۔ یعنی شتر صدیقین کے برابر ثواب پاتا ہے“

## خلافت اسلامیہ کے مختلف ادوار

(۱) پہلا دور خلافت راشدہ کا ہے جس کی ابتداء اللہ سے امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے اور انتہاء ۳۵ھ خلافت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اقامت پر ہوئی۔

(۲) دوسرا دور خلافت بنی امیہ کا ہے جس کی ابتداء ۴۰ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور انتہاء ۳۳ھ خلافت مروان الحمار پر ہوئی۔

(۳) تیسرا دور خلافت بنی عباس کا ہے جس کی ابتداء ۱۳۰ھ خلافت سفاح ابو العباس سے اور انتہاء ۳۲۰ھ خلافت متوکل المتسک باللہ پر ہوئی۔



(۳) چوتھا اور آخری دور خلافت عثمانیہ کا ہے جسے ختم ہونے صرف

۶۷ سال ہوئے ہیں۔

اسلام میں الگ الگ ریاستوں کا کوئی تصور نہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسلام میں ایک ہی خلیفہ و امام و حکمران اور ایک ہی اسلام ریاست ہے۔ بلاشبہ اسلام میں الگ الگ اور آزاد اسلامی ریاستوں کا کوئی تصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

”اے ایمان والو! سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو

اور آپس میں پھٹ نہ جاؤ“

علامہ اقبال اور مصطفیٰ اکمال:

لیکن افسوس مسلمان آپس میں پھٹ گئے اور اسلامی وحدت کو توڑ کر الگ الگ آزاد ریاستیں قائم کر کے بیٹھ گئے۔ آخری خلافت، خلافت عثمانیہ تھی۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ خلافت عثمانیہ، خلافت تھی یا سلطنت خواہ کچھ تھی اس میں شک نہیں کہ سلطنت یا خلافت عثمانیہ تک امت مسلمہ وحدت کی لڑی میں پروٹی ہوئی تھی۔ خلافت اسلامیہ کا یہ نظام ۱۹۲۴ء تک چلتا رہا آخر اسے مصطفیٰ اکمال انا ترک کے ذریعے ۱۹۲۴ء کو ختم کر دیا گیا۔ اور ایک اسلامی ریاست کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ علامہ اقبال مصطفیٰ اکمال کی اس حرکت پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ اکمال کو از تحبہ دمی سرود

گفت نقش کہنہ را باید زدود

”یعنی مصطفیٰ اکمال ایک نئے نظام نام نہاد جمہوریت کے گن گاتا ہے اور کہتا ہے کہ پُرانے (نقش خلافت) کو آگ لگا دو“

نورہ گرد کعبہ را رخت عیات

مگر ز افروغ آیدش لات و منات

”یعنی کعبہ کا ساز و سامان کوئی بیا نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس کے پاس

مغرب کے لات و منات آجائیں“

علامہ اقبال ایک اور جگہ مصطفیٰ اکمال کے خلاف یوں فرماتے ہیں۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ (کلیات ۱۸۲)

خلافت یا سلطنت عثمانیہ کے زوال کے ساتھ ہی عظیم الشان اسلامی

ریاست کے حقہ بخرے ہو گئے، حد بن دیاں قائم ہو گئیں جس کے نتیجے میں

ایک مسلم قوم و وطنیت و علاقیت کے نام سے کئی قوموں میں بٹ گئی اور علیحدہ علیحدہ

جوازاات (پاسپورٹ) معرض وجود میں آ گئے اور مسلمانوں کے درمیان ذبیروں

کی لعنت قائم ہو گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

اِنَّهَا اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوٰنٌ

مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

(سورۃ الحجرات ۱۰)

مسلمان آپس میں بھائی اور ناقابل تقسیم اکائی ہیں:

یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ناقابل تقسیم اکائی ہیں کہ دینی

رابطہ اور اسلامی و ایمانی محبت کے ساتھ آپس میں مربوط ہیں۔ یہ رشتہ دنیوی

رشتوں سے زیادہ قوی اور زیادہ مضبوط ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

اَمَّا السُّنِّيُّنَ فَهُمْ اَوْسَلَامٌ

”کہ مسلمانوں کے باہمی بھائی چارہ اور

باہمی اتحاد کی بنیاد و عمارت اسلام ہی ہے“

(مسند احمد جلد ۱ ص ۳۹۹)



جب عمارت کے ٹکڑے ہو جائیں تو وہ گر جاتی ہے یا کھوکھلی اور کمزور ہو جاتی ہے۔ یوں مسلمانوں نے اپنی قوت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے کمزور کر ڈالا جس سے ان کی بقاء خطرہ میں پڑ گئی ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے :  
 اَلْمُؤْمِنُ الْمُسْلِمُ مِثْلُ عِمَارَةٍ  
 كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا  
 لِّئَلَّا يَكُونَ عِمَارَةٌ كَالْطَّرِيقِ  
 بعض بعض کو مضبوط کئے ہوئے ہے۔

(مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۴۴)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی اور آپس کے تعلق کو ایک عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے پر کھڑی ہیں جنہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کریں گے تو عمارت ہی گر پڑے گی۔ لہذا مسلمانوں کو الگ الگ آزاد ریاستوں، الگ الگ قومیتوں کے بنانے اور آپس کے درمیان ویزوں کی پابندی قائم کرنے کا کوئی حوالہ باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ احکام اسلام سے کھلی بغاوت ہے۔

تیسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :  
 مِثْلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ  
 مِثْلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ  
 الْجَسَدِ بِالسَّعَرِ وَالْحَبِي (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۱)

ہر مسلمان کی مثال باہمی مودت و محبت اور ایک دوسرے پر مہربان ہونے میں ایک جسم کی سی ہے۔ جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کے باقی تمام جسم کے اعضاء اس ایک عضو کے لئے

ایک دوسرے کو جاننے اور بخار میں مبتلا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔  
 یعنی جب جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو جسم کے دوسرے تندرست اعضاء بھی ایک دوسرے کو اس بیمار عضو کے ساتھ تکلیف میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں مطلب یہ کہ شریک ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ جاگتے ہیں اور بخار میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

میرا رونا نہیں، رونا ہے سارے گلستان کا  
 وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل ہے گریبا خزاں میری  
 (اقبال ۴)

مسلمانوں کا آپس میں ایسا تعلق اس صورت میں ہی قائم رہ سکتا ہے جب الگ الگ ریاستوں کی بجائے ایک عظیم الشان اسلامی ریاست ہو اور الگ الگ حکمرانوں کی بجائے ایک ہی حکمران ہو۔ اس کے برعکس نام نہاد آزاد ریاستوں کی صورت میں مسلمانوں کی باہمی اجتماعی محبت و اخوت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا بلکہ الگ الگ آزاد ریاستوں کی صورت میں مسلمانوں کے درمیان وہ اخوت و محبت و یکجہتی جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف میں تصور پایا جاتا ہے نظر ہی نہیں آتا بلکہ اس کے برعکس باہمی جنگ و جدال، قتل و غارت نفاق و بغض اور خونریزی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ نظر آتا ہے۔ ایران و عراق کے درمیان آٹھ سالہ جنگ میں کتنے مسلمانوں کا خون بہا اور مسلمانوں کے خون کی کتنی ندیاں بہہ گئیں۔ کوئی بتا ہی نہیں سکتا۔ پھر عراق و کویت کے معرکہ میں کتنی جانیں ضائع ہوئیں اور کتنی ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں لٹیں۔ کتنے بچے یتیم ہوئے۔ کتنی عمارتیں کھنڈروں میں تبدیل ہوئیں، خون کے کس قدر دریا بہے یہ حساب سے باہر ہے۔ اس کے بعد بھی ایک اسلامی ریاست کے قیام کی



ضرورت میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے ؟

چوتھی حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :

المسلمون كرجل واحد • تمام مسلمان ایک آدمی کی طرح  
ان اشتكى عينه اشتكى • ہیں اگر اس کی آنکھ میں ٹھنڈی ہے تو  
كله وان اشتكى رأسه • اس کا سارا جسم درد کرتا ہے اور  
اشتكى كله • اس کا سر دکھتا ہے تو سارا جسم  
(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲)

اس قسم کی صورت حال کہ ایک مسلمان پریشان ہو تو سارے مسلمان پریشان ہو جائیں اور اس کی امداد کو بھیگیں ایک اسلامی ریاست اور خلافت اسلامیہ کے قیام سے ہی ممکن ہے اس کے برعکس الگ الگ آزاد ریاستوں کے وجود نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ دکھ درد میں شریک ہونے کی بجائے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے دکھ درد سے اجنبی اور بے پروا کر ڈالا ہے ایک ملک ہے کہ وہ اس قدر دولت مند ہے کہ اس کی دولت دشمنان اسلام بہودو نصاریٰ کے بینکوں میں نہیں ساتی جبکہ دوسرا ملک اس قدر غریب ہے کہ اس کے باشندے کو نہ کھانے کو کچھ ملتا ہے اور نہ پینے کو۔ ایک مسلمان ملک ہے کہ اس کے باشندوں کی امارت و دولت کا یہ حال ہے کہ ان کی ضرورت کی ہر چیز باہر سے آتی ہے اور سر میں درد ہو تو امریکی پرواز کر جاتے ہیں اور دوسرا مسلمان ملک ہے کہ اس کے باشندے علاج کی سہولت نہ ملنے سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ یہ صورتحال کب تک گوارا کریں گے۔ کوئی ہے جو خدائی تازیانوں کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھے اور عالم اسلام کی متزلزل عمارت کو گرنے سے

بچانے کی فکر میں ہمارا شریک فکر و سفر ہو۔ اگر کوئی ہے تو آئے ہمارا شریک فکر ہو۔ نہ رہ اپنوں سے بے پرواہ اسی میں خیر ہے تیری  
اگر منظور ہے دنیا میں ادبیگانہ خور پہنا

### خلافت :

خلافت وہ حکومت عامہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں دین اور دنیا کے تمام معاملات، شریعت اسلامیہ کے مطابق انجام دیئے جائیں۔

### خلیفہ :

خلیفہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے دین کی حفاظت کرے اور سلطنت کے جملہ معاملات شریعت اسلامیہ کے مطابق انجام دے۔ اس کی حکومت اسلامی حکومت کہلائے گی۔

### اسلامی حکومت :

اسلامی حکومت اس حکومت کو کہتے ہیں جس کا تمام نظم و نسق شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو۔ اسے خلافت اسلامیہ و امارات شرعیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

### اسلامی حکومت کا دستور و قانون :

اسلامی حکومت کا دستور، آئین اور قانون، سب کچھ قرآن و سنت ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے :  
”ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر شے کا روشن بیان (ہر مسئلہ کا مکمل حل) ہے اور مسلمانوں کے لئے راہنمائی اور رحمت اور خوشخبری“

(سورۃ النحل : ۸۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ :



”میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور ان دو چیزوں میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت“

(مشکوٰۃ شریف ص ۳)

”اور فرمایا کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ (امت میں) بہت سے اختلافات دیکھے گا تو تمہارے لئے لازم ہوگا کہ میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت (طریقہ) کو اختیار کرو۔ اور اسے داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو“

(مشکوٰۃ شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت کا دستور آئین اور قانون اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین کا طرز عمل ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں:

تو ہی دانی کہ آئین تو چیست زیر گردن بر تکیں تو چیست  
آں کتاب زندہ فسترد آن حکیم حکمت اولیائے الست و قدیم  
ترجمہ: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا آئین کیا ہے؟ آسمان کے نیچے تمہارے استحکام و قوت کا راز کیا ہے؟ وہ زندہ کتاب قرآن حکیم ہے۔ اس کی حکمت دائمی اور قدیم ہے“

انسانوں کا بنایا ہوا دستور:

انسانوں کا بنایا ہوا دستور اسلامی ریاست کا دستور دائیں نہیں ہو سکتا کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ اس کا حشر کیا ہوتا ہے۔ ہر آنے والا حکمران اپنی خواہش کے مطابق اس میں رد و بدل کرتا اور اسے کچھ سے کچھ بنا کر رکھ دیتا ہے

جبکہ قرآن حکیم میں رد و بدل ممکن نہیں ہوتا لہذا دستور دائیں وہی ہونا چاہئے جس میں کوئی انسان رد و بدل کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

علامہ ڈاکٹر محامی محمود اپنی کتاب ”الشوری فی الاسلام“ میں لکھتے ہیں:  
فالْحُكُومَةُ الْإِسْلَامِيَّةُ حُكُومَةُ شُورٍ أَيْ عَادِلَةٍ  
دستورہا القرآن وھادِیھا المصطفیٰ صلی اللہ علیہ  
وسلم و سنتھ و لیست الحکومتہ الامویۃ و  
العباسیۃ دلیلک علیھا۔ (الشوری فی الاسلام)

”پس اسلامی حکومت شوریٰ عدل والی حکومت ہے جس کا دستور قرآن اور اس کے راہبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی سنت ہے اور حکومت اسلامیہ و عباسیہ حکومت اسلامیہ کی دلیل و راہنما نہیں“

خلافت کا نظام تمام مسلمانوں کے لئے ہے:

بلاشبہ خلافت کا نظام تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ یہ نظام کسی قبیلہ اور کسی خاص علاقہ کے لئے نہیں ہے۔ جب خلیفہ منتخب ہوگا تو تمام اسلامی ممالک کے لئے ہوگا۔ اور تمام اسلامی ممالک پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے اپنے ملکوں کی آزاد حیثیت کو ختم کر کے ایک ہو جائیں اور اس خلیفہ کی اطاعت قبول کریں۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ آزاد ریاستیں امت میں تفرقہ ڈالنے کے مترادف ہے جس کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔  
”اور اللہ کی رسی کو سب مل کر تھام لو اور آپس میں پھٹ نہ جاؤ“

(آل عمران: ۱۰۳)



دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ  
بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ۔

”مسلمانو! تم مختلف راہیں نہ چلو۔  
وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے جدا  
کر دیں گی؟“

(الانعام: ۱۵۲)

اور حدیثوں میں آچکا کہ ”جو امام کے بغیر مرادہ جاہلیت کی موت مرا، جو اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں ایک امام کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا“ جو اس حال میں مرا کہ اس پر مسلمانوں کی جماعت (امت مسلمہ) کے ایک امام کی اطاعت (فرمانبرداری) نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔ جس سے یہ ہو سکے کہ ایک دن نہ صوٹے اور نہ ہی صبح گزارے اور نہ ہی شام گزارے مگر اس حال میں کہ اس پر ایک ہی امیر ہو وہ ضرور کرے؟

(مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۲۱۵ تا ۲۲۵)

عقائد اسلامیہ کی کتابوں میں ہے:

”تمام لوگوں کے معاملہ کا انتظام ایسے طریقہ پر جو دین و دنیا کی بھلائی تک پہنچانے والا ہو دین و دنیا میں ایک ایسی ریاست اسلامیہ (اور ایک خلیفہ اکا محتاج ہے جو تمام عالم اسلام پر حاوی ہو کیونکہ اگر مختلف علاقوں کے مختلف، متعدد حکمران ہوں تو اسے باہمی لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچ جائے گی جس سے عالم اسلام کے نظام میں خلل واقع ہوگا“

(شرح مفاتیح ص ۲۴۴ و شرح مقاصد جلد ۲ ص ۲۴۴ و شرح مسامہ جلد ۲ ص ۲۴۴)

لہذا واضح ہو گیا عقیدہ اسلامیہ کی رُو سے الگ الگ آزاد حکومتوں کا کوئی جواز نہیں سب پر ایک خلیفہ کا ماننا فرض عین ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ:

”من مات ولم يعرف  
امام زمانہ مات میتة  
پہچانے بغیر مرا تو جاہلیت کی  
موت مرا۔“

جاہلیت۔

کسی ایک ملک میں وہاں کے علماء و فقہاء کے ذریعے جب خلیفہ کا تقرر عمل میں آئے گا تو وہ عام ہوگا کسی ایک علاقہ کے لئے نہیں۔ کیونکہ اسلام میں خلافت کا تصور اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جب وہ تمام مسلمانوں کا خلیفہ ہوا تو اس کو خلیفہ نہ ماننے والا اور اس کی اطاعت نہ کرنے والا اور اپنے آپ کو اس کے زیر نگیں نہ کرنے والا ملک یا حکمران باغی قرار پائے گا جس کی سرکوبی فریضہ شرعی ہوگی۔ لیکن بقدر استطاعت و قدرت، بصورت عدم استطاعت حسن اخلاق و تبلیغ و تلقین سے اسے قبول حق کی دعوت دی جاتی رہے گی۔ اور وہاں کے عوام و خواص کے ساتھ روابط بڑھائے جائیں گے اور انہیں اس حکم شرعی سے آگاہ کرنے کے ساتھ اپنے ساتھ ہمنوا بنانے کی کوشش جاری رکھی جائے گی تا آنکہ وہاں کے عوام اس حکمران کو خلیفہ وقت اور اسلامی ریاست کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کر دیں اور اس دوران اسلامی ریاست کو دوسرے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ شریعت کے تقاضا کے مطابق فراخ دلانہ برتاؤ کرنا ہوگا کہ وینا کے سلسلے میں پابندی نرم کر دینا ہوگی تاکہ اس کے مثبت اثرات دوسرے اسلامی ملکوں پر بھی پڑیں اور انہیں الحاق کا احساس ہو کہ ہم سب بھائی ہیں اور ہم اخوت اسلامیہ کی بنیاد پر ناقابل تقسیم اکائی ہیں۔ ہمارا حکمران ایک ہی ہو سکتا ہے دو نہیں ہو سکتے۔ ہماری ریاست ایک ہی ہوگی دو نہیں۔ چنانچہ امام ماورودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:



لا يجوز للائمة امامان " امت مسلمہ کے ایک وقت  
فی وقت واحد - میں دوسرے براہ مملکت نہیں ہو  
(احکام سلطانیہ ص ۹) سکتے "

اور امام قاضی ابو یعلیٰ علیہ الرحمۃ اپنی " احکام سلطانیہ میں فرماتے ہیں کہ:  
فان اجاب الیہا یا یعوز علیہا والنقدت لہ الامامة  
ببیعتہم ولزم کافة الامة المدخول فی بیعتہ و  
الانقیاد لطاوعتہ -

" پس اگر خلافت کا اہل خلافت کی ذمہ داری قبول کر لے تو  
اہل حل و عقد اس کی بیعت کریں گے اور ان کی بیعت سے اس کی  
امامت منعقد ہوگی اور تمام امت پر فرض ہوگا وہ اس کی بیعت  
میں داخل ہو اور اس کی فرمانبرداری اختیار کر لے "

لہذا یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلیفہ تمام عالم اسلام کا ہی خلیفہ ہوگا  
اور وہ ایک ہی خلیفہ ہوگا۔

خلیفہ تاحیات خلیفہ ہوگا :

خلیفہ تاحیات خلیفہ ہوگا الایہ کہ وہ خود خلافت سے دستبردار ہو  
جائے یا اس کے خلافت کے قابل نہ رہنے پر اہل حل و عقد اسے معزول کر کے  
اس کی جگہ دوسرے خلیفہ کو مقرر کریں۔ ایک صالح و عادل خلیفہ کا بلا وجہ  
شرعی و بلا ضرورت شرعی خلافت سے دستبردار ہونا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی :

یا عثمان انہ لذل اللہ یقیمک قمیصا فان ارادوا

علی خلعه فلا تخلعه لهم - (ترمذی شریف)

" اے عثمان! بلاشبہ تمہیں اللہ تعالیٰ خلافت کی قمیص پہنائے  
گا پس اگر لوگ چاہیں کہ تم اسے اتار دو تو ان کے کہنے پر اسے نہ  
اتارنا "

شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ م ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح  
میں لکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ :

" اللہ تعالیٰ تجھے عنقریب خلیفہ بنائے گا پھر اگر لوگ تجھے خلافت  
سے معزول کرنا چاہیں تو ان کے کہنے پر اپنے آپ کو معزول نہ کرنا اور  
خلافت سے دستبردار نہ ہونا " لکنک علی الحق وکونک  
علی الباطل " کہ تم حق پر ہو گے اور وہ باطل پر ہوں گے۔ اور  
ایسی صورت میں قبولِ معزولیت میں ایمان و تہمت ہے لہذا حضرت  
عثمان نے یوم الدار کے محاصرہ کے باوجود اپنے آپ کو معزول نہ فرمایا۔  
(المعات شرح مشکوٰۃ)

اہمیت عہدہ خلافت :

عہدہ خلافت ایک اہم عہدہ ہے اور یہ نیابت رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم اس عہدہ کی عظمت و جلال کا تقاضا ہے کہ اس کی مدت کا تعین  
نہ کیا جائے۔ خلافت کا سلسلہ صدیوں جاری رہا حتیٰ کہ ۱۹۲۳ء تک خلافت کا  
نظام قائم رہا اس دوران ہزاروں علماء و فقہاء اور دانشور ہوئے مگر کس نے  
بھی خلافت کے لئے مدت کے تعین کا نہ سوچا۔ کیونکہ خلافت رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی نیابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافت اور ایمان  
کو لازم و ملزوم قرار دیا اور فرمایا : ان الایمان والعلم یکونان مع الخلفۃ۔



(حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۸۶ / ص ۸۷) کہ ایمان اور علم خلافت کے ساتھ ہوں گے لہذا خلافت کی مدت کا تعین اس عظیم الشان منصب کی عظمت و جلالت کے متافی ہے اور اس کی عظمت کے منافی کام جائز نہیں لہذا اس کے لئے مدت کا تعین بھی جائز نہیں۔

**خلیفہ کو معزول کیا جاسکتا ہے :**

جب یہ بات مسلم ہے کہ خلیفہ کو اس کی نااہلی کے ظہور پر اسے منصب خلافت سے معزول کیا جاسکتا ہے تو مدت کا تعین غیر ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ علامہ شامی فتاویٰ شامی میں لکھتے ہیں :

” بلاشبہ امت (کے اہل عقد) کو کسی ایسے سبب سے جو خلیفہ کی معزولی کو ضروری قرار دیتا ہو خلیفہ کو معزول کرنے کا حق ہے مثلاً اس کے عہد میں مسلمانوں کے حالات میں خلل پڑ رہا ہو، دین کے امور کمزور ہو رہے ہوں جیسا کہ انہیں اس کو خلیفہ مقرر کرنے کا حق ہے (ایسے انہیں معزول کرنے کا بھی حق ہے)“

(فتاویٰ شامی جلد ۴ ص ۲۶)

نہ اس میں ہے کہ :

والخلافة من يكون نائياً  
خلعت النبي صلى الله عليه  
وسلم فلا بد ان يمسئ  
خلفه على طريقت  
”کہ خلیفہ نبی کے پیچھے اس کا  
قائم مقام ہے لہذا ضروری ہے  
کہ وہ آپ کے پیچھے آپ کے  
راستہ پر چلے“

(ص ۵۱)

جب وہ آپ کے پیچھے آپ کے طریق پر نہیں چلے گا تو معزولیت کا مستحق ہوگا۔

جب اُسے معزول کیا جاسکتا ہے تو مدت کے تعین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

**خلیفہ کون مقرر کرے گا ؟**

خلیفہ کے تقرر کا اختیار اہل حل و عقد کو ہے اور وہ علماء و فقہاء و کرام ہیں چنانچہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ :

ان الاجماع لا ينعقد الا بقول العلماء الذين يمكنهم

استنباط احكام من نصوص الكتاب والسنة وهم

المسبون باهل الحل والعقد في كتب اصول الفقه۔

(تفسیر کبیرہ ص ۵۱)

”اجماع ان علماء کے قول سے ہی منعقد ہوگا جنہیں کتاب و سنت

کی نصوص سے احکام کے اخذ کرنے کی استعداد حاصل ہے اور انہی

علماء کو اصول فقہ کی کتابوں میں اہل حل و عقد کے نام سے مسمیٰ کیا گیا ہے“

اور قاضی بیضاوی کی منہاج الاصول کی شرح نہایت الوصول میں ہے کہ اہل

حل و عقد وہ لوگ ہیں جو قرآن و سنت سے اس کے احکام اخذ کر سکتے ہیں۔

(جلد ۳ : ص ۲۳)

**خلیفہ کا تقرر کون کرے گا ؟**

رہا یہ سوال کہ خلیفہ کے تقرر کے ذمہ داری کس پر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ

فقہ اور عقائد کی کتابوں میں خلیفہ کے تقرر کی ذمہ داری امت کے دو طبقوں پر عائد

کی گئی ہے ایک اہل اختیار جنہیں اہل حل و عقد بھی کہا گیا ہے یعنی علماء و فقہاء

جو کتاب و سنت سے احکام اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور دوسرے

اہل امامت ہیں جن میں امام یا خلیفہ ہونے کی اہلیت پائی جاتی ہے۔

چنانچہ امام باوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ :



احدهما اهل الاختيار حتى يختاروا اماما والثاني  
اهل الامامة حتى ينتصب احدهم للامامة۔

(الاحكام السلطانية ص ۱۵۹)

”ان میں سے ایک کو اختیار ہیں وہ بری الذمہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ  
ایک خلیفہ مقرر کریں اور دوسرے اہل امامت، وہ بری الذمہ نہ  
ہوں گے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی ایک خلافت کی ذمہ داری قبول کرے۔  
اور قاضی امام ابو یعلیٰ اپنی احکام سلطانیہ میں فرماتے ہیں کہ:

وهي فرض على الكفاية مخاطب بها طائفتان من الناس  
احدهما اهل الاجتهاد حتى يختاروا والثانية من يوجد  
فيه شرائط الامامة حتى ينتصب احدهم للامامة۔

”خلافت کا قائم کرنا فرض کفایہ ہے اور اس کی ذمہ داری ہمت کے  
دو طبقوں پر ہے۔ ایک اہل اجتہاد، یہاں تک کہ وہ کسی کو خلیفہ مقرر  
کریں اور دوسرے وہ لوگ جن میں خلافت کی شرائط پائی جاتی ہیں  
حتیٰ کہ ان میں سے کوئی خلافت کی ذمہ داری قبول کرے۔“

(الاحکام السلطانیہ ص ۱۹)

خلیفہ مقرر کرنے والوں کی اہلیت کے شرائط:

اہل اختیار یا اہل اجتہاد اور دوسرے لفظوں میں اہل حل و عقد جو خلیفہ مقرر  
کریں گے ان میں تین شرائط کا ہونا ضروری ہے  
(۱) ایک عدالت یعنی صالح و ثقہ ہونا۔

(۲) دوسری علم، یعنی کتاب و سنت اور تاریخ اسلامی سے واقف ہونا تاکہ وہ  
اسی علم کی روشنی میں خلافت کے لئے موزوں و مستحق انسان کا تعین کر سکے۔

(۳) تیسری شرط: یہ ہے کہ وہ اہل رائے و اہل فکر و دانش اور صاحب بصیرت  
ہو تاکہ اس کو خلافت کے لئے موزوں ترین فرد کے اختیار کرنے کا ملکہ  
و مہارت حاصل ہو۔

خلافت کی اہلیت کے شرائط:

خلافت کی اہلیت کے چار شرائط ہیں:

نمبر ۱: ایک قرشی ہونا یعنی قریش (جن کا نام نصر بن کنانہ ہے) کی اولاد سے ہونا۔  
نمبر ۲: دوسری قضاء کی صفت کا حامل ہونا یعنی حرا، عاقل و بالغ اور عالم عادل ہو۔  
اگر عالم دین نہ ہو گا تو وہ دین اسلام کے قانون کو جاری نہیں کر سکے گا۔  
چنانچہ نمبر اس میں ہے:

ان لم یکن موصوفا بشرائط الامامة لم ینفذ  
الاحکام الشرعیة منه سبعا اذا كان جاهلا۔  
(نمبر اس ص ۱۵۵)

”یعنی اگر مملکت اسلامیہ کا سربراہ امامت کے شرائط سے  
موصوف نہ ہو گا تو اس سے شریعت کا نظام نافذ نہ ہو گا خصوصاً  
جب وہ شریعت سے جاہل ہو۔“

نمبر ۳: تیسری حرب و سیاست اور اقامت حدود کی جرأت و ہمت رکھنے  
والا ہو کہ اس میں کمزوری کا مظاہرہ کرنے والا نہ ہو۔  
نمبر ۴: چوتھی شرط علم اور دین میں بلند ترین مقام رکھنا ہو۔  
(الاحکام السلطانیہ ص ۱۶)

کیا غیر قریشی خلیفہ ہو سکتا ہے:

کئی ایک احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ



وسلم نے فرمایا کہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔ عقائد اسلام کی کتابوں میں اس پر اجماع منقول ہے لیکن خوارج و بعض معتزلہ اور اس دور کے کچھ مفکرین اسے غیب کی ایک خبر قرار دیتے ہیں، اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہیں ٹھہراتے۔ چنانچہ علامہ محمد فرید وجدیؒ دائرہ معارف القرآن العشرین میں اپنی رائے بھی یہی لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک قریش میں سے کوئی خلافت کا اہل ہوگا۔ خلیفہ اسی کو بنایا جائے گا اور اگر قریش میں سے کوئی خلافت کا اہل نہ ملے تو غیر قریش میں سے بھی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ امام باقرؑ علیہ الرحمۃ بھی خلیفہ کے لئے قرشی کی شرط کو تسلیم نہیں کرتے۔

(الموسوعة الفقهية جلد ۳ ص ۳۱۹)

(ملاحظہ ہو دائرہ تعارف القرآن العشرین جلد ۳ ص ۳۱۹ تا ص ۳۲۰)

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی کتاب

”دوام العیش“ لائق دید ہے۔

ایک وقت میں متعدد خلیفے :

کیا ایک وقت میں متعدد یعنی کئی ایک خلیفے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک وقت میں دنیا کے اسلام کا ایک ہی خلیفہ ہوگا متعدد خلیفے نہیں ہو سکتے۔ پھر اس بات پر تو سب امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ ایک خطہ ارضی پر ایک ہی خلیفہ ہوگا مگر زمین کے خطے جو ایک دوسرے سے نہایت ہی دور واقع ہوں کہ ایک مغرب میں ہو جیسے مغرب اقصیٰ (مراکش) اور دوسرا مشرق میں ہو جیسا کہ پاکستان، دونوں خطوں کے درمیان سمندر حائل ہو تو چونکہ نہایت دوری یا درمیان میں سمندر کے حائل ہونے کی وجہ سے دو ملکوں کا آپس میں رابطہ مشکل ہے اور خلیفہ کو اپنی رعیت سے رابطہ میں وقت اور دشواری ہوگی

لہذا ان دو خطوں کے الگ الگ خلیفے ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ امام ابو اسحاق اسفرائینی کے شاگرد رشید امام الاصولین استاذ ابو منصور امام عبد القاہر بن طاہر بن محمد البغدادی علیہ الرحمۃ متوفی ۷۲۹ھ اپنی مشہور کتاب ”اصول الدین“ میں لکھتے ہیں :

قال اصحابنا بوجوب نصب الامام في كل حال (الی ان قال) لا يجوز ان يكون في الوقت الواحد امامان واجبی الطاعة و انما ينعتقد امامة واحد في الوقت و یكون الباقي تحت سرايته (الی ان قال) الا ان يكون بين البلدين بحر مانع من وصول نصرته اهل كل واحد منهما الی الاخرین فیجوز حیثین شذ لا اهل كل واحد منهما عقد لامامة الواحد من اهل ناحيته۔

(اصول الدین ص ۲۴۴، طبع لاہور۔)

”ہمارے اصحاب (اہل سنت) نے فرمایا کہ ہر حال میں خلیفہ کا تقرر واجب ہے اور جائز نہیں کہ ایک وقت میں دو واجب الطاعت خلیفے ہوں ایک وقت میں ایک ہی خلیفہ ہوگا اور باقی اس کے جمعہ کے لئے ہوں لیکن اگر دو شہروں یا ملکوں کے درمیان سمندر حائل ہوں دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تو ایسی مجبوری کی حالت میں ان دو شہروں یا ملکوں کے لوگوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک کا الگ الگ خلیفہ مقرر کریں“

اس میں امام عبد القاہر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک ہی خلیفہ ہوگا مگر جب دو ملکوں میں اس حد تک دوری ہو کہ مشرق و مغرب کا سا



بعض اور تنہایت درجہ کا فاصلہ ہو کہ وہ ملک ایک دوسرے سے اس طرح کٹے ہوئے ہوں کہ ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں، رسل و رسائل و وصل وصال ذیبتہ تعلق اور اسباب ربط باہمی کا فقدان ہو تو دونوں ملکوں کے الگ الگ دو خلیفے ہو سکتے ہیں اور اگر تین ملکوں کی یہی صورتحال ہو تو تین خلیفے ہوں گے۔ دلی ہذا القیاس۔ اسی طرح شرح مواقف میں ہے:

لا يجوز العقد لامامین فی صقع ای جانب متصاقل الا قطار لا دامنہ الی وقوع الطئنة واختلال النظام اما فی متسعها ای اما العقد لامامین فی صقع متسع الا قطار یحیث لا یسح الواحد تدبیر کا فہم حاصل الاجتہاد لوقوع الخلاف۔ (شرح مواقف جلد ۳ ص ۴۸)

یعنی زمین کی ایک ایسی جانب سے میں جس کو نے کو نے اور حدود تنگ ہیں (یعنی چھوٹا سا ملک ہو) میں دو خلیفوں کا تقرر جائز نہیں کہ فتنے پیدا ہوں گے اور نظم و نسق میں خلل واقع ہوگا لیکن وسیع و عریض خطے میں جہاں کہ ایک خلیفہ انتظام سنبھالنے کی طاقت نہ رکھتا ہو محل غور ہے کیونکہ ایسی صورت میں مسئلہ میں خلاف واقع ہوا ہے۔

یعنی اگر بہت بڑا ملک نہ ہو تو تمام علماء و فقہاء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہاں ایک ہی خلیفہ ہوگا ورنہ نہیں ہو سکتے کیونکہ دو خلیفوں کے تقرر سے فتنہ کھڑا ہوگا اور مملکت کے نظام میں خرابی پیدا ہوگی لیکن اگر مملکت اس قدر وسیع و عریض اور بہت ہی لمبی اور چوڑی ہو کہ دونوں میں مشرق و مغرب کا سا بعد و دوری ہو کہ ایک خلیفہ اس قدر وسیع و عریض مملکت کے نظم کو چلانے

کی طاقت نہ رکھتا ہو تو یہ محل اجتہاد بات ہے کیونکہ اس میں خلاف واقع ہے۔

### خلاف اور اختلاف میں فرق:

شرح مواقف کی عبارت ”لوقوع الخلاف“ پر غور فرمائیں کہ شایع نے ”لوقوع الخلاف“ فرمایا ہے ”لوقوع الاختلاف“ نہیں فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ متعدد خلفاء کے جواز کی رائے ایک یا دو بزرگوں کی رائے ہے جبکہ امت کے باقی تمام علماء و فقہاء کسی صورت میں بھی بہ یک وقت متعدد خلفاء کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔ یعنی لفظ ”خلاف“ اور لفظ ”اختلاف“ میں یہ فرق ہے کہ اگر اکثریت کے مقابلہ میں ایک یا دو حضرات کی رائے ہو تو اسے ”خلاف“ کہا جائے گا اور اگر اکثریت کی رائے کے مقابلہ میں ایک یا دو سے زیادہ کی رائے ہو تو اسے ”اختلاف“ کہا جائے گا۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ ایک یا دو کے خلاف کے مقابلہ میں اکثریت کی رائے کو اجماع کہا جائے گا۔ اور ایک دو کی بات کو کوئل اہمیت حاصل نہ ہوگی لہذا یہاں بھی ایک دو حضرات کی رائے اور خلاف کو کالعدم تصور کرتے ہوئے مسئلہ کو اجماعی قرار دیا جائے گا اور ایک دو کی رائے کو اجماع کے مقابلہ میں شذوذ (ناقابل توجہ انفرادیت) کہا جائے گا۔

چنانچہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی میں ہے کہ:

فان مخالفة واحد او اثنين للجمہ صوری لیسہ خلافا

لا اختلافا فلا یخرج الحکم بہ عن کونہ متفقاً علیہ۔

”بلاشبہ ایک یا دو کی جمہور کے ساتھ مخالفت ”خلاف“ کہلاتا

ہے، نہ کہ اختلاف، لہذا ایک دو کے اختلاف سے کوئی حکم متفق علیہ



ہونے سے خارج نہیں ہوتا؟

(شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی جلد ۱ ص ۱۷۱)

لہذا ثابت ہوا کہ اگرچہ سلطنت اسلامیہ اس قدر وسیع و عریض ہو کہ اس میں مغرب و مشرق کا بعد و دوری ہو یا ان کے درمیان سمندر حائل ہو غلیظہ ایک ہی ہوگا اور یہی بات اجماعی اور متفق علیہ نظریہ ہے اس میں دو غلیظوں کے جواز کا قول اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں شذوذ و ناقابل قبول بات ہے بلکہ حدیث شریف میں شذوذ (اجماع کے مقابلہ میں) ایک مذہب اختیار کرنے والے کو دوزخی کہا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ۔ جو شخص غلط و فقہاء کی اکثریت (مشکوٰۃ شریف) سے الگ ہو اور جہنم میں گیا۔

جیسا کہ امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَإِذَا انْعَقَدَتِ الْأَمَامَةُ لِأَهْلِ بَلَدٍ لَمْ تَنْعَقِدْ  
أَمَامَتُهُمَا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ لِلْأَمَامَةِ أَمَامَانِ فِي وَقْتٍ  
وَلِأَنَّ شَذَّ قَوْمٍ فَجُوزٌ۔

(الاحکام السلطانیہ ص ۱)

”اور جب دو ملکوں میں دو اماموں کی امامت و حکمرانی منعقد ہو تو ان دو میں سے کسی کی بھی امامت منعقد نہ ہوئی کیونکہ یہ جائز نہیں کہ ایک وقت میں امت کے دو حکمران ہوں اگرچہ ایک گروہ نے اس کو جائز کہہ کر اجماع کی خلاف ورزی کی ہے“

یہاں سے معلوم ہوا کہ ایک وقت میں امت مسلمہ کے دو حکمران نہیں ہو

سکتے توجہ فرمائیے کہ اسلام تو دو حکمرانوں کی حکمرانی کو بھی جائز نہیں ٹھہراتا تو امت مسلمہ کے اس قدر حکمران کہاں جائز ہو سکتے ہیں جس قدر آج بنے ہوئے ہیں اور یہ کہ ایک سے زیادہ حکمرانوں کا جواز شاذ و اجماع کے خلاف ہے۔

جو بات اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے:

اور یہ مسئلہ حقیقت ہے کہ جو بات اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے، ناقابل قبول ہے۔

چنانچہ امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”کہ عورت حج نہیں ہو سکتی، نہ ان معاملات میں جن میں عورت کی شہادت (گواہی) قبول ہے اور نہ ان معاملات میں جن میں عورت کی گواہی صحیح و قبول نہیں ہے“

مگر امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

”عورت ان معاملات کی حج ہو سکتی ہے جن میں عورت کی شہادت لی جاسکتی ہے“

پھر فرماتے ہیں:

وَشَذَّ ابْنُ جَرِيرٍ فُجُوزَ قَضَائِهَا فِي جَمِيعِ الْأَحْكَامِ  
وَلَا اعْتِبَارَ بِقَوْلِ يَرُدُّهُ الْأَجْمَاعُ۔

(الاحکام السلطانیہ ص ۶۵)

”اور امام ابن جریر طبری نے اجماع کے خلاف شذوذ کیا ہے کہ تمام احکام میں اس کے حج ہونے کو جائز قرار دیا ہے اور کسی ایسے قول کا اعتبار نہیں جسے اجماع نے رد کر دیا۔“

امام ماوردی نے یہاں اجماع کے مقابلہ میں لفظ ”شذ“ استعمال کر کے



بتا دیا ہے کہ جہاں یہ لفظ آئے گا اس سے مراد اجماع کی خلاف ورزی ہوگی اور اجماع کے خلاف قول مردود ہے۔ لہذا امت مسلمہ کے ایک وقت میں دو حکمران ہونا بھی قول شاذ و اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" کے خطبہ میں لکھتے ہیں کہ: "فی جملہ" میں نے اس کتاب میں ان خلفاء کے احوال بیان کئے ہیں جو خلیفہ امیر المؤمنین کا راستہ قائم کرنے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد سے ہمارے زمانہ تک ہوئے (پھر فرمایا) میں نے اس میں کسی عیب کی ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ قرش نہ تھے۔ دوسرے وہ بد مذہب بے دین کم از کم رافضی تھے ایسوں کی بیعت ہو سکے اور نہ خلافت صحیحہ تیسرے یہ کہ ان کی بیعت اس وقت ہوئی جب خلافت عباسی قائم تھی۔ فلا تعصم اذلا تعصم البیعة لاما مین فی وقت واحد والصحیح المتفقہ مرمنہا۔" پس ان کی بیعت صحیح نہ ہوئی کیونکہ ایک وقت دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ دوسرے اس کی خلافت صحیح ہوگی جس کی پہلے بیعت ہوئی (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۱) ملک اور دین دو جڑ وال ہیں:

ملک اور دین دو جڑ وال ہیں یعنی جیسے دو جڑ وال بچے ایک پیٹ میں ہوتے ہیں اور ایک ساتھ پیدا ہوتے ہیں، ایسے ہی ملک اور دین جڑ وال چیزیں ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے کہ:

الدین والملك توأمان ففی ارتفاع احدهما ارتفاع الآخر لان الدین اساس والملك حارس ومالا اس له فیه دمر ومالا حارس له فضائع۔

(تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۳۹۲)

"دین اور ملک دو جڑ وال ہیں پس ایک کی ترقی میں دوسرے کی ترقی ہے کیونکہ دین بنیاد ہے اور ملک اس کا محافظ ہے اور جس کی بنیاد نہ ہو وہ گر جائے گا اور جس کا کوئی محافظ نہ ہو، وہ ضائع ہو جائے گا"

جب دین اور ملک دو جڑ وال ہوئے تو جیسے دین ایک ہے تو ملک بھی ایک ہوگا لہذا خلیفہ بھی ایک ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمام عالم اسلام کا دین تو ایک ہو مگر ملک الگ الگ ہوں۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ منفعۃ ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک حرم پاک بھی، اللہ بھی، مشرک آن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

مطلب یہ ہے کہ جب امت کا نفع و نقصان ایک، نبی ایک، دین ایک ایمان ایک، کعبہ ایک، اللہ ایک اور قرآن ایک ہے تو ان کے حکمران اور ملک الگ الگ کس لئے ہیں؟ یہ بات ناقابل فہم ہے اور عقل و دانش کے قطعاً خلاف ہے۔ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ ان کا ملک بھی ایک ہو اور حکمران یعنی خلیفہ بھی ایک ہو۔

الموسوعة الفقہیہ میں ہے کہ:

فان کانت سلطنتہ قاصدة علی ناحیة خاصة فلیس بخلیفة وان کانت عامة فهو الخلیفة۔

(الموسوعة الفقہیہ جلد ۲ ص ۲۱۶)

اگر اس کی حکومت کسی خاص علاقہ پر ہے تو وہ خلیفہ نہیں اور اگر



اس کی حکومت تمام عالم اسلام کے لئے ہے تو وہ خلیفہ ہے۔  
الموسوعة کی اس عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ دو خلیفے نہیں ہو  
سکتے خلیفہ ایک ہی ہوگا اور اس کی حکومت تمام عالم اسلام کے لئے ہوگی۔  
امام ابو محمد علی بن احمد بن حزم علیہ الرحمۃ متوفی ۵۰۵ھ اپنی مشہور کتاب  
"المحلی" میں فرماتے ہیں کہ:

لا یحل ان یکون فی الدنیا "یہ بات جائز نہیں کہ دنیا میں  
الا صاھر واحد۔ ایک امام کے سوا کوئی دوسرا  
(المحلی ج ۹ ص ۳۹) امام ہو۔

یعنی دنیا کے اسلام کا ایک ہی امام ہوگا۔ ایک سے زیادہ امام ہونا جائز  
نہیں ہے۔  
خلیفہ کے تقرر کا طریق کار:

خلیفہ یا امام کے تقرر کے تین طریقے ہیں اگرچہ صاحب نبراس نے  
ایک چوتھا طریقہ نص کا بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ  
عنه اور بعض اہلسنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت  
و خلافت کو منصوص (صاحب شریعت کی طرف سے صادر شدہ فرمان کے  
تحت) تصور کرتے ہیں لیکن جمہور کے خیال میں صاحب شریعت کی طرف سے  
ان دونوں بزرگوں میں سے کسی بھی بزرگ کی خلافت کے بارے میں کوئی نص یا قرین  
صادر نہیں ہوا۔ عام طور پر امام یا خلیفہ کے تقرر کے تین طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔  
نمبر ۱: ایک طریقہ "بیعت" ہے یعنی اہل حل و عقد کی بیعت اور اہل حل و عقد  
علماء دین متین اور سرداران و بزرگان مسلمین ہیں جو دانش و بصیرت  
رکھنے کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کے علوم پر عبور رکھتے ہیں۔

## ایک سوال اور اس کا جواب:

اس سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ کے تقرر کے لئے ایسے لوگوں  
کی تعداد کتنی ہونی چاہئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابو الحسن اشعری کی رائے میں اگر کسی ایک  
علم و دانش رکھنے والے لوگوں کی موجودگی میں ایک ایسے عالم دین کا بیعت کر  
لیا بھی کافی ہوگا جن کے علم و دیانت اور تقویٰ و ایمانت کا ملک بھر میں شہرہ  
ہو اور بعض فقہاء حنفیہ کے نزدیک اہل حل و عقد کی ایک جماعت کی بیعت  
ضروری ہے اس سلسلے میں کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔

(فتاویٰ شامی جلد ۱ ص ۵۴۹)

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ملک بھر کے اہل حل و عقد میں سے جمہور یعنی  
اکثریت کی موجودگی اور بیعت ضروری ہے تاکہ اس کی خلافت پر رضاء عام  
اور اجماع قائم ہو۔

(الاحکام السلطانیہ لابن علی ص ۷)

اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ ملک بھر کے اہل حل و عقد کی اکثریت کی  
ضرورت نہیں کیونکہ اس میں حرج عظیم اور مشکل پیش آئے گی۔ ان میں سے  
ایک گروہ کی رائے ہے کہ اس سلسلے میں پانچ اہل حل و عقد بھی کافی ہیں۔ کسی اہل  
امامت و خلافت کی بیعت پر وہ جمع ہو جائیں یا وہ اپنے میں سے ایک کی بیعت  
کر لیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت پانچ اہل حل و عقد نے  
کی۔ پھر سب لوگوں نے ان کی اتباع کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کی بیعت کی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کو چھ اہل حل و عقد کے مشورہ  
پر چھوڑ دیا تاکہ ان میں سے پانچ مل کر ایک کو خلیفہ بنا دیں اور ایک گروہ نے چالیس  
اہل حل و عقد کی بیعت کو ضروری قرار دیا ہے اور شافعیہ کا رائج مذہب یہ ہے کہ اس



سلسلے میں کسی خاص تعداد کا ہونا ضروری نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اہل حل و عقد میں سے کوئی ایک ایسی شخصیت جس کا علم و فضل اور تقویٰ و بصیرت سب کے نزدیک مسلم ہو، کس اہل امامت و خلافت کی بیعت کرے تو اس سے خلیفہ کا تقرر ہو جائے گا اور باقی لوگوں کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اس سے موافقت اور اس کی اتباع کریں۔

(داسنی المطالب جلد ۴ ص ۱۹۰ روضۃ الطالبین جلد ۱ ص ۱۰۸)

(معنی المحتاج جلد ۴ ص ۱۳۱، ص ۱۳۲) (الموسوعہ جلد ۶ ص ۲۲۱)

نمبر ۲: دوسرا طریقہ نامزدگی کا ہے یعنی جب کوئی خلیفہ اپنے بعد کسی کے خلیفہ ہونے کا اعلان کرے اسے نامزد کرے جبکہ اس میں خلافت کھاہلیت پائی جاتی ہو تو اس کے بعد وہی خلیفہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد فرمایا تھا اور اس اعلان و نامزدگی کے مطابق ان کے بعد وہی خلیفہ ہوئے۔

نمبر ۳: تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی خلافت کے صفات کا حامل شخص طاقت و قوت سے منصب خلافت پر فائز ہو جائے اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دے، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے۔ یعنی لوگوں کو نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے تو وہ بھی بہ اتفاق ائمہ زہد و جہاد خلیفہ قرار پائے گا کیونکہ نصب امام سے جو منافع مطلوب ہیں وہ حاصل ہوں گے۔ (النبی اس ص ۵۳۸)

امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ایسا شخص خلافت پر اسی طریقہ سے فائز ہو جائے تو جمہور فقہاء و متکلمین کے نزدیک محض اس طریقہ تغلب یعنی (زبردستی قلب پالینے) سے وہ خلیفہ قرار نہیں پائے گا بلکہ اہل حل و عقد

کو لازم ہوگا کہ وہ اسے اپنی طرف سے خلیفہ قرار دیں تاکہ اس کے آئندہ کے اقدامات شرعی طور پر درست ٹھہریں اور نظام مملکت ایک جواز کی صورت میں انجام پائے کیونکہ اس کے ہٹانے میں فتنہ برپا ہوگا اور فتنہ قتل سے بھی بُری چیز ہے)

الموسوعۃ الفقہیہ میں حضرت عبدوس بن مالک العطاء سے روایت منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص طاقت کے ذریعے مملکت کے باشندوں پر غالب آگیا حتیٰ کہ خلیفہ کے منصب پر فائز ہو گیا اور امیر المؤمنین کہلانے لگا تو کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے حلال نہیں کہ وہ اس حال میں رات گزارے کہ اسے امام تسلیم نہ کرتا ہو خواہ وہ نیک ہو یا فاسق و فاجر۔ اور امام ابو الحارث کی روایت میں ہے کہ اگر کو شخص طاقت کے ذریعے اقتدار پر قابض ہو گئے کچھ لوگ ایک کے ساتھ ہوں اور کچھ دوسرے کے ساتھ تو جس کے حکم پر جمعہ کی نماز قائم کی جائے گی (یعنی جس کے ساتھ علماء ہوں گے) اسی کو خلیفہ تسلیم کیا جائے گا اور اس کی دلیل یہ بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ حترہ میں اہل مدینہ کو نماز پر دعائی اور فرمایا:

”نَحْنُ مَعَ مَنْ عَکَبَ“ کہ ہم اسی کے ساتھ ہیں جو غالب

(الموسوعۃ الفقہیہ جلد ۶ ص ۲۲۱) آگیا۔

صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”تم اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے“



## اسلام میں ولی العہد کا تصور

اسلام میں "ولی العہد" بنانا بلاشبہ جائز ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ!

قَهَبْتُ لِي مِنْكَ وَلِيًّا يَرْثُنِي وَيُورِثُ مِنِّي  
وَلِيًّا يَرْثُنِي وَيُورِثُ مِنِّي دے ڈال جو میرا کام اٹھائے وہ  
اِلٰی يُعْقِبُوْا - میرا جانشین ہو اور اولاد یعقوب

(سورۃ مریم: ۶) کا وارث ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ولی العہد بنانا جائز ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ مجھے بیٹا عطا فرما جو میرے بعد میرا کام اٹھائے اور ذمہ داریوں کو نبھائے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہیں آئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو سعید بن زید اپنے چچا زاد بھائی اور بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کو اس شرط پر خلیفہ کے تقرر کے بارے میں مشیر مقرر کیا کہ وہ خلافت کے امیدوار نہیں ہوں گے اس لئے نہیں کہ شرعاً حضرت عمر کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان کا ولی العہد و خلیفہ ہونا جائز نہ تھا بلکہ یہ ان کا کمال تقویٰ تھا کہ انہوں نے ان کو باہر رکھا۔ کمال تقویٰ اور چیز ہے اور جو اند و سری چیز ہے اس لئے امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ کے الفاظ یہ ہیں:

وَمِنْ شَأْنِهِ وَرَسُولِهِ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۴۵)

کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کمال تقویٰ تھا کہ ان پر اقربا نوازی کا بہتان نہ لگایا جاسکے جبکہ شرعاً جائز حد تک اقربا نوازی کی اجازت ہے مگر یہ چونکہ قومی و ملّی معاملہ تھا اس لئے آپ نے کمال تقویٰ کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے آپ کو اس قسم کے بہتان سے بچالیا اور حضرت معاویہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تب و حی اور مجتہد صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"میرے صحابہ تمام کے تمام عدول ہیں یعنی عدل والے ہیں" ظلم اور زیادتی کے روادار نہیں ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عظیم الشان صحابی نے انہیں اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو حرام کا مشورہ نہیں دے سکتا کہ یہ ان کی شانِ عدولیت کے منافی ہے جس کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔

حضرت معاویہ کا یزید کو ولی عہد بنانا:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خلافت کا اہل سمجھ کر ہی اسے ولی عہد بنایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

وَرَأَى أَنَّهُ لَذَلِكَ أَهْلًا  
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۵) سمجھا تھا۔

پھر فرماتے ہیں:

وَكَانَ ظَنُّهُ أَنَّ لَا يَقُومُ أَحَدٌ  
مِنْ أَتْبَاعِهِ الصَّحَابَةِ فِي هَذَا  
كَأَنَّ كَافِلِينَ تَحْتَهِ دِيْكَرُ صَحَابَةٍ  
بِئْسَ مِنْهُمْ مِمَّنْ اسْتَدَارَ إِلَى كُفْرٍ  
الْمَعْنَى (۸۵ ص ۸۵) کوئی اور نہیں اٹھا سکتا۔



## حضرت معاویہ کی دعا:

پھر آپ نے ایک دن خطبہ میں دعا کی:

اللهم ان كنت تعلم اني وليته لانه فيما اراكم اهلا لذلك فاثمروا له ما وليته وان كنت وليته لاني احببته فلا تتمم له ما وليته

اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اسے خلافت کا اہل کچھ کر اسے ولی عہد بنایا ہے تو جس ذمہ داری پر میں نے اسے فائز کیا ہے اسے اس کے لئے پوری کمر دے اور اگر میں نے اسے صرف بیٹے ہونے کی محبت میں ولی عہد بنا دیا ہے تو اس کی

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۸۰) ولی عہدی کو اس کے لئے پورا نہ فرما۔

اس سے ایک تو معلوم ہوا کہ ولی عہد بنانا اسلام میں جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت معاویہ پر اس سلسلے میں طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں کہ انہوں نے اپنے خیال میں درست کیا اور ایک اہل کو ولی عہد بنایا۔ بعد میں یزید کا خراب ہو جانا حضرت معاویہ پر طعن کا موجب نہیں کہ وہ اس وقت ایسا نہ تھا جیسا بعد میں ہو گیا۔

جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ان کے زمانہ میں ایسی نہ تھی کہ ان کو "ابن اللہ" (خدا کا بیٹا) کہتی ہو لیکن ان کے بعد ایسی ہو گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

الموسوعة الفقهية میں ہے کہ خلیفہ وقت اہل حل و عقد کے مشورہ سے اپنے بیٹے کو خلافت کے لئے نامزد کر سکتا ہے۔

(ملاحظہ ہو جلد ۹ ص ۲۲۳ تا ۲۲۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اسے ولی عہد بنایا اور اس کے حق میں

بیعت لینا شروع کی تو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر و عبداللہ بن عمر و حضرت حسین بن علی و عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے سوا سب نے یزید کے حق میں بیعت کر لی۔ چنانچہ امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

فبايع له الناس في سائر تمام صوبوں کے باشندوں نے اس کے الا قاليعر الا عبد الرحمن حق میں بیعت کر لی سوا عبد الرحمن بن بن ابی بکر و عبد اللہ بن ابی بکر و عبد اللہ بن عمر و حسین بن عمرو والحسين بن علي و عبد الله علي و عبد الله بن زبیر اور ابن عباس بن زبیر و ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۰)

امام ابن کثیر علیہ الرحمۃ کے یہ الفاظ کہ تمام صوبوں کے باشندوں نے اس کی بیعت کر لی تھی ان پانچ حضرات نے بیعت نہ کی مگر ان میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بعد میں بیعت کر لی۔ ظاہر ہے بیعت کرنے والوں میں بہت سے صحابہ بھی تھے اور صحابہ اہل حل و عقد ہیں۔ اگر اسلام میں ولی عہدی حرام ہوتی تو تو ان پانچ حضرات کے سوا سب صحابہ کبار و صغار اس کی بیعت کر کے حرام کے مرتکب ہوئے اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور فاسق عادل نہیں ہوتا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ میرے صحابہ عادل ہیں اگر ایک دو ہوتے تو کہا جاسکتا تھا کہ ایک دو سے غلطی ہوئی مگر سب کے بارے میں یہ کہنا کہ ان سے غلطی ہوئی صحیح نہیں۔ البتہ یہ سوال پیدا ہو گا کہ کیا پھر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور دوسرے چار صحابہ نے غلطی کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر چار حضرات کے خیال میں یزید خلافت کا اہل نہ تھا اس لئے انہوں نے اس کی بیعت نہ کی یہ ان کی کھال دیانت اور کمال تقویٰ ہے کہ



انہوں نے جسے حق سمجھا اس پر سختی سے قائم ہو گئے۔ اس پر وہ یقیناً اجر و ثواب کے مستحق ہوئے۔ لہذا ان کے انکار کو بغاوت کا نام نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ ان کا حق تھا کہ جسے وہ غلط سمجھتے اُسے قبول نہ کریں۔ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ نے آخر میں جب محسوس کیا کہ اب خونریزی تک نہ پہنچنے والی ہے تو امت کو خونریزی سے بچانے کے لئے یہ دل نخواستہ بیعت پر آمادہ ہوئے اور یزیدی لشکر کے کمانڈر عمر بن سعد سے فرمایا کہ تین باتوں میں سے ایک کو چن لو یا تو مجھے واپس جانے دو یا کسی سرحد پر بھیج دو یا مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں مگر ظالموں نے آپ کے مصالحتہ کردار کا جواب مصالحت سے دینے کی بجائے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ (رضی اللہ عنہ وعن رفقائہ الکرام) آپ نے جب بھی انکار کیا تو اس کی وجہ یہیں بیان فرمائی کہ وہ میرے نزدیک اس کا اہل نہیں ہے۔ وہ فاسق و فاجر ہے یہ نہ فرمایا کہ اسلام میں ولی عہدی ناجائز ہے اس لئے میں اس کی بیعت نہیں کرتا۔ اور اہل مدینہ منورہ نے بعد میں اس کی بیعت اس لئے فسخ کر دی کہ اس کے فاسق و فاجر و شرابی اور تارک نماز ہونے کا انہیں یقین ہو گیا۔

### شوری کی اہمیت اور اس کے انتخاب کا طریق کار:

رہنمایہ سوال کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی نظام ہے تو خلیفہ کی شوری کے انتخابات کا طریق کار کیا ہو گا؟

لفظ شوری اور لفظ مشورہ عربی زبان میں "شورت الحسل شوراء" سے ماخوذ ہے جس کے معنی شہد کی مکھیاں کے چھتہ میں سے شہد نکالنے کے ہیں۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۲۴۲)

گویا مجلس شوری شہد کی مکھیوں کے چھتہ کے بمنزلے ہے جس سے مقصود

ان سے ایسی عمدہ اور شفاء بخشش رائے نکالنا، اور معلوم کرنا ہے جو شہد کی طرح خالص و عمدہ و شفاء بخشش ہو۔ جیسے شہد کئی بیماریوں کی دوا ہے ایسے ہی مشورہ بھی کئی ایک مشکلات سے نجات کا ذریعہ ہے۔

مشورہ ایک قدیم سنت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ ملکہ سبا بلقیس نے بھی اپنے مشیر مقرر کر رکھے تھے اور نظام سلطنت اور کار مملکت ان کے مشورہ سے چلائی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خطا کا جواب دینا چاہا تو مشیروں کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، قرآن کریم میں ہے۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُءُ      وہ بول اے سردار! میرے  
أَفْتُونِي فِي أَمْرٍ مَا كُنْتُ      اس معاملہ میں مجھے رائے دو میں  
قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى      کسی معاملہ میں کوئی قطع فیصلہ  
تَشْهَدُونَ      نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے

(النمل ۲۲) پاس حاضر نہ ہو۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ:

سكان لها ثلث شائفة وثلاث شدة      بلقیس کے تین سو تیرہ مرد مشیر  
عشر رجلا هم اهل      تھے جو اسے مشورہ دیتے تھے ان  
مشور قها كل رجل منهم      میں سے ہر مرد دس ہزار کے  
على عشرة الاف      اور پر تھا۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۱۹۴)

یہاں سے کئی ایک مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مشورہ لینا قدیمی روایت ہے۔ دوسرا یہ کہ نظام سلطنت کے چلانے کے لئے مشیروں کا ہونا ضروری ہے۔



تیسرا یہ کہ مشیر مرد ہونے چاہئیں، عورتیں نہیں۔ بلقیس نے عورت ہونے کے اور کافرہ ہونے کے باوجود صرف مردوں کو ہی مشیر مقرر کیا تھا لیکن کس قدر افسوسناک بات ہے کہ آج مسلمان مرد حکمران عورتوں کو مشیر مقرر کرتے ہیں۔

چوتھا یہ کہ بلقیس نے ہر دس ہزار کی آبادی میں سے ایک ایک مشیر لیا ہوا تھا۔ پانچواں یہ کہ ملکہ سبا کی سلطنت کی آبادی اس وقت اکتیس لاکھ تھی۔

اور شوری کے ممبران کا عوام کے ذریعے منتخب ہونا احمقانہ فعل ہے۔ عوام میں سے اکثریت "کالانعام"، جانوروں کی مانند ہیں۔ جنہیں نہ علم ہے نہ شعور۔

ان پر اعتماد کرنا بہت بڑی حماقت ہے اس لئے یہ مغربی جمہوریت مسلمانوں کے معاشرہ کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے۔ یہ عوامی رائے کو الہیت

نہیں رکھتی لہذا موجودہ طریقہ انتخاب قطعاً غلط اور اسلام کے خلاف ہے، بلکہ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خلیفہ یا امیر مملکت، ملک کے اہل علم خصوصاً

علماء کرام و فقہاء و عظام جو اہل حل و عقد ہیں، پر مشتمل اپنی شوری بنائے اور ان مسائل میں جو قرآن و سنت اور اجماع سے معلوم نہ ہوں، بہ وقت ضرورت ان سے

مشورہ لے کیونکہ جو احکام قرآن و سنت یا اجماع امت سے ثابت ہوں، ان پر بہ صورت عمل کرنا ضروری ہے اور مشورہ مجلس شوری کے ارکان کا اجتماعی اجلاس

بلا کر بھی کیا جاسکتا ہے اور فرداً فرداً ہر ایک سے الگ الگ بھی۔ پھر اگر سب کا اتفاق ہو تو اس پر عمل کرے اور اختلاف کی صورت میں محض اکثریت کو معیار حق نہیں

سمجھنا چاہیئے۔ ساتھ ساتھ قوت دلیل کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اگر اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت کی دلیل زیادہ قوی ہو تو اسی پر عمل کیا جائے۔ اور اگر برابر

برابر تعداد میں ہوں تو امیر مملکت ان آراء میں سے کسی ایک کو اپنی صوابدید پر ترجیح دے سکتا ہے اور قرعہ اندازی سے بھی کسی ایک لے کر قابل عمل تصور کیا جاسکتا

## خلیفہ اور ارکان شوری کا معیارِ اہلیت

خلیفہ کی اہلیت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور ارکان شوری کے بارے میں بھی گذر چکا کہ وہ اہل حل و عقد ہیں جنہیں قرآن و سنت اور فقہ اسلام پر عبور ہو اور وہ صاحب بصیرت بھی ہوں اور ان کا مرد ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ عورتوں کا کام نہیں۔

امام ماوردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

لان فیہا من طلب الراۃ عورتیں وزیر بھی نہیں بن سکتیں

و ثبات العزم ما تضعف کیونکہ وزارت میں رائے اور

عزمہ النساء۔ ثبات عزم مطلوب ہوتے ہیں جن کی

(احکام السلطانیہ ص ۲) عورتیں تحمل نہیں ہو سکتیں۔

یعنی نہ وہ رائے دینے کے قابل ہیں کہ شریعت نے ان کو ناقص العقل ٹھہرایا ہے اور نہ ہی ان میں ثابت العزمی پائی جاتی ہے، لہذا عورت حکمران ہو سکتی ہے نہ وزیر اور نہ ہی مشیر۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ



## دعوتِ عام

ہماری طرف سے ہر در و دل رکھنے والے مسلمان بھائی اور بہن کی خدمت میں دعوتِ رفاقت حاضر ہے۔

آئیے! اس خلافتِ اسلامیہ کے نظام کو پھر سے بحال کر لیں جو درج ذیل پانچ نکات پر مشتمل ہو گا۔

(۱) تمام نام نہاد آزاد اسلامی ریاستیں پھر سے ایک عظیم اسلامی متحدہ ریاست میں تبدیل ہو جائیں اور ایک ہی حکمران (خلیفہ) ہو۔ خلافت کا مرکز مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ یا بغداد ہو اور تمام اسلامی ممالک اس کے صوبہ ہوں اور تمام حکمران صوبائی سربراہ ہوں یا کم از کم متحدہ عربیہ کے اتحاد کریں۔

(۲) سب کا پاسپورٹ ایک ہی ہو جس پر شنگھائی (قومیت و جنسیت) "مسلم" درج ہو اور یوں دینوں کی لعنت کا خاتمہ ہو۔

(۳) دفاع ایک ہی ہو یعنی تمام اسلامی ملکوں کے ایک ملک ہو جانے کے بعد تمام افواج مل کر ایک عظیم الشان فوج بن جائیں جو "مسلم آرمی" یا "عسکرِ اسلامیہ" کہلائے۔

(۴) کرنسی بھی ایک ہو خواہ دینار یا دھرم یا ریال وغیرہ تاکہ مسلمانوں میں معاشی اور اقتصادی مساوات بھی قائم ہو۔ اس میں امتِ مسلمہ کی نجات اور فلاح ہے اس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی۔ اسلام کا غلبہ ہوگا اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت اسلامی ریاست اور دنیا کی سب سے بڑی فوج "مسلم آرمی" ہوگی۔

(۵) قانون بھی ایک ہو یعنی قرآن و سنت

آئیے! اس عظیم الشان جہاد میں شریک ہو جائیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظام اور آپ کی سنت ہے جسے مسلمانوں نے چھوڑ دیا اور کئی ملکوں میں بٹ کر ذلیل ہو گئے۔ آئیے اس سنت کو زندہ کریں اور حدیث شریف کے مطابق تنوشہید کا ثواب پائیں۔ آئیے اس تحریک میں شریک و رفیق ہو جائیں۔ آپ کو ہر جریر کا رٹی ہوئی سنت کو زندہ کر لیا سو شہید کا ثواب پائیگا۔

تحریکِ بحالیِ خلافتِ اسلامیہ کی تائید کرنے والے

علمائے کرام کے اسما و گرامی مع پتہ حیات

- ۱۔ مولانا شاہ حسین گردیزی دارالعلوم مہرید گلشن اقبال کراچی
- ۲۔ مولانا منیب الرحمن دارالعلوم نعیمیہ کراچی
- ۳۔ مولانا حمید اللہ جان ناظم اعلیٰ جمعیتہ علماء اسلام صوبہ سرحد
- دارالعلوم الاسلامیہ لکھنؤ مروت بنوں
- فون: ۴۲۶
- ۴۔ مولانا محمد اسعد تھانوی رابطہ سیکرٹری متحدہ علماء کونسل پاکستان
- الاحمد میمنش بلاک ۱۳ اربل گلشن اقبال کراچی
- فون دفتر: ۴۸۲۳، گھر: ۴۷۶۷
- فیکس: ۴۷۸۰
- ۵۔ مولانا قاری احمد میاں تھانوی صدر قاری دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک
- اقبال ٹاؤن لاہور۔ فون: ۳۰۹۸۱



۶- مولانا غلام دستگیر افغانی

مہتمم جامعہ ضیاء العلوم (ٹرست)، اگرہ تاج کالونی،

کراچی۔ فون: ۳۳۳۳۳۳

۷- مولانا محمد اقبال حسین نیسی

ناظم دارالعلوم نعیمیہ فیضیہ دہلی ایبٹ آباد کراچی

فون: ۳۳۳۳۳۳

۸- مولانا عبید اللہ شاہ

خطیب جامع مسجد باب الاسلام، ایف مکر اسلام آباد

صدر دارالعلوم کراچی ایبٹ آباد کراچی۔ کراچی نمبر ۱۲

۹- مولانا محمد رفیع عثمانی

فون دفتر: ۳۱۱۵۳۳

۱۰- مولانا حافظ فضل الرحیم

نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔ فون: ۳۱۲۰۲۷

مہتمم دارالعلوم انجمن قرآن اسلام سیلانیہ کراچی

فون: ۵۳۹۸۷۸۱۵۳۹۷۹۲

۱۱- مولانا سید عکرم علی شاہ ہمدانی

مسجد معصوم شاہ الحزینہ سٹریٹ گارڈن ویسٹ کراچی

فون: ۷۳۳۳۵۷۱

۱۲- مولانا عبد المجید

جامعہ ابی بکر الاسلامیہ گلشن اقبال کراچی

نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک ضلع نوشہرو

فون: ۷۳۳۳۳۳

۱۳- مولانا محمد عاشق

۱۴- مولانا حافظ انوار الحق حقانی

۱۵- صاحبزادہ بلال زون قاضی نقشبندی

امیر جمعیت علماء اسلام صوبہ پنجاب و خادوم خانقاہ حمیدیہ

نقشبندیہ دارالعلوم حنفیہ چکوال۔ فون: ۲۹۰۲۱

ناظم نشریات مجلس حبیبیہ المسلمین پاکستان

بیت الانوار ۷۸/۷۸ ماڈل ٹاؤن لاہور۔

فون: ۵۸۵۹۳۵

۱۶- مولانا ذکیل احمد شروانی

دارالعلوم کراچی کورنگی کے ایریا۔ فون: ۳۱۷۷۳۳

۱۷- مولانا محمد زبیر شرف عثمانی

۱۸- مولانا محمد ظفر اللہ

نائب امیر جماعت مجاہدین پاکستان و مدیر

جامعہ ابی بکر۔ فون گھر: ۵۰۸۱/۳۰۵۱۸ دفتر: ۳۷۳۳۳۳

۱۹- مولانا محمد حفیظ کشمیری

کادرین جمعیت علماء اسلام، اسلام آباد مدرسہ تعلیم القرآن

ایف مکر اسلام آباد

۲۰- مولانا سید محمد یونس شاہ

مرکزی نائب صدر جے ٹی آئی مدرسہ دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خشک۔

۲۱- مولانا ظہیر الدین بابر

جنرل سیکرٹری جے ٹی آئی پاکستان فون: ۳۳۳۳۳۳

۲۲- مولانا نور علی

صدر جمعیت علماء پاکستان شاہ عالم مارکیٹ لاہور

۲۳- حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

فون: ۲۵۷۳۱۳

۲۴- حضرت علامہ غلام محمد صاحب یالوی

شمس العلوم جامعہ رضویہ ایس ٹی ۳۳ این بلاک ناروہ

ناظم آباد کراچی۔ فون: ۶۱۲۷۰۷

۲۵- علامہ مفتی منیب الرحمن صاحب

دارالعلوم نعیمیہ (ٹرست) نزد ایوب منزل عقبہ

حبیب بنگ بلاک ۵۵ فیڈل بی ایریا کراچی

فون: ۶۳۲۲۲۳۴

۶۳۱۳۵۰۸

الذی اعی الی الخیر

مفتی غلام سرور قادری (امیر تحریک)

مرکزی دفتر: جامعہ رضویہ (ٹرست) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور، پاکستان

فون نمبر: ۸۳۷۲۷۱

۸۳۷۲۷۵

۸۳۷۳۶۳



دوسرا حصہ

# ○ مغربی جمہوریت اور اس کے تحت ہونیوالے الیکشن

یہ کتاب کے اس حصہ میں قرآن و سنت اور ائمہ اسلام کی تعلیمات  
کے حوالہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ خلافت اسلام کے مقابلہ  
میں مغربی جمہوریت کس قدر نقصان دہ اور اس کے تحت  
ہونیوالے الیکشن کس قدر مکرر ملت کے لئے تباہ کن ہیں۔

○



سوال :- اس وقت بالغ راستے وہی کی جو صورت دنیا میں

راتج ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اس وقت بالغ راستے وہی کی جو صورت دنیا میں راتج

ہے وہ اسلامی نقطہ نظر سے درج ذیل وجوہات کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے

اور ہرگز نہیں ہے۔

۱۔ یہ کہ اس میں راستے (دوٹ) حاصل کرنے کی ہوس میں مختلف

پارٹیوں کی دوڑ و دھوپ شروع ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وسعت و

مقدور سے بڑھ کر زور آزمائی کی جاتی ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ هَفْظًا إِلَّا وُسْعَهُمَا۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کے

مقدور سے زیادہ تکلیف دینا پسند نہیں کرتا اور گوارا نہیں فرماتا (بقرہ ۲۸)

اسی مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ

۲۳۳ سورۃ نساء ۸ سورۃ اعراف ۴۲ سورۃ انعام ۸۲ سورۃ مؤمنون ۶۲

سورۃ طلاق ۷۔ جن کا یہی مفہوم و معنی ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت

سے زائد تکلیف دینا گوارا نہیں فرماتا اور نہ ہی اسلام اس بات کو پسند فرماتا

ہے کہ انسان اپنے اوپر وہ بوجھ ڈال لے جسے اٹھانا اس کے لئے مشکل ہو جاتے

چنانچہ حدیث شریف میں ملاحضت کے ساتھ مقدور سے زیادہ عبادت کرنے کی

بھی ممانعت آتی ہے۔ حالانکہ عبادت ہی قرب الہی کا ذریعہ ہے مگر اسے بھی

اس حد تک انجام دینے کو شریعت نے پسند فرمایا ہے جس حد تک وقت

نہ ہو۔ وہ حدیث یہ ہے لَا تُشَدُّ دُؤَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيَشُدُّ عَلَيْكُمْ



کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کی طرف سے اس کی پاداش میں تم پر سختی کی جائے اس حدیث کو امام عبدالرزاق المنادی علیہ الرحمہ متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی کتاب کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلق ہاشم جامع صغیر جلد دوم صفحہ ۱۵ پر بحوالہ سنن ابی داؤد نقل فرمایا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا سختی ہوگی کہ انتخابات کے موقع پر اس مہم میں شریک ہونے والے اپنے کاروبار چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنی سالہا سال کی کمائی پھونک دیتے ہیں بلکہ کئی ایک ایسے حضرات بھی پچھلے انتخابات میں سنے اور دیکھے گئے ہیں جو اپنی جائداد تک فروخت کر کے اس مہم کی بحیثیت پڑھادیتے ہیں اور اسی جذبہ سے ایسا کرتے ہیں کہ ممبر بننے کے بعد وصاؤنس، دھاندل اور رشوت وغیرہ ایسے حربوں سے سب کچھ پھر سے بنالیں گے۔ بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ جائداد بنالی جاتی ہے اور جو انتخاب میں ہار جاتے ہیں مالی اعتبار سے انہیں ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور وہ اس نقصان کی تلافی کے لئے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں جو کہ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (الایہ) کے خلاف ہیں اور یہ کیا کم سختی ہے کہ جلسے جلوس اس قدر کثرت سے ہوتے ہیں کہ پورا ملک افراتفری کی لپیٹ میں نظر آتا ہے، مہم میں حصہ لینے والے نہ تو خود آرام کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو چین لینے دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ملک بھر کے باشندوں کا امن و سکون تباہ ہو کر رہ جاتا ہے جو کہ اِنْتُمْ بُعِثْتُمْ مُبْتَغِينَ (الحديث) کے خلاف ہیں۔

۲۔ یہ کہ پارٹیوں کی باہمی مقابلہ بازی، باہمی بغض و عناد اور ابدی

عدوت و دشمنیوں پر فتح ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف عرفیہ جذبات جنم لیتے ہیں اور یہ بات اِنْتُمْ اَلْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَاصْبِرُوا بَيْنَكُمْ اِخْوَتُكُمْ (الجمرات ۱۰) ارشاد باری تعالیٰ کے خلاف ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اور ان میں صلح و آشتی اور بھائی چارے کے جذبات پیدا کرنے کا حکم فرمایا۔ موجودہ و مروجہ انتخابات کہ اگر اس اخوت و باہمی صلح و آشتی کو برباد کرنا ہی ہے۔

۳۔ یہ کہ انتخابات کے موقع پر باہمی دشمنی اس حد تک بڑھ جاتی ہے اور ہوس جیت اس قدر عروج کو پہنچ جاتی ہے کہ بہت سے امیدواروں کو غائب کر لیا جاتا ہے۔ نازنگ کرائی جاتی ہے اور کئی ایک قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اس طرح کے انتخابات کرنا اور ان میں حصہ لینا ہلاکت کو دعوت دینا ہے جب کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (بقرہ ۱۹۵) کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

۴۔ یہ کہ اس میں شدید تر قباحت یہ ہے کہ عزیز تر رشتے اور ایک ہی گھر کے افراد آپس میں پھٹ جاتے اور ایک دوسرے کے مخالف ہو جاتے ہیں ایک ہی گھر میں بسنے والے مختلف پارٹیوں سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور اپنی اپنی ہمدردیاں ایک دوسرے سے جدا کر کے مختلف پارٹیوں سے جوڑ لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں باپ کا رخ ایک طرف اور اولاد کا دوسری طرف اور ماں بہن کا کسی اور سمت اور یہ صورت حال ایک ہی گھر کے افراد کے درمیان افتراق و انتشار کا موجب ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ



یہ طرز انتخابات ایک شیطانی فعل ہے یا فشاء شیطان کے عین مطابق ہے۔  
 چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَتَمَّامُ يُرِيدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوَقِّعَ بَيْتَكُمْ  
 الْعَدَاوَةِ (المائدہ ۹۱) کہ شیطان تم میں باہمی عداوت ڈالنا چاہتا ہے۔  
 لہذا مروجہ طریقے سے انتخاب کرنا شیطان کی خواہش کی تکمیل کرنے کے مترادف ہے۔  
 ۵۔ یہ کہ ووٹ جو کہ قیمتی چیز ہے یعنی نہایت اہمیت کی حامل ہے  
 اور صحیح مستحق ہی اس کا حقدار ہے مگر ہمارے ہاں عوام اس کی اہمیت سے  
 ناواقف ہیں جس کے نتیجے میں ان کی رستے خریدی جاتی ہے۔ ہمارا ملک  
 معاشی اعتبار سے ابھی اس قدر ترقی نہیں کر پایا کہ لوگ بے دھڑک اور کسی  
 طمع والہیج اور ہوا کے بغیر اپنی رستے استعمال کر سکیں یا یہ کہ ہمارے ملک کی  
 اکثریت ان پڑھوں اور دین کے احکام و مسائل سے بے خبر لوگوں کی ہے۔  
 اس لئے ان کی رستے کو دولت مند امیدوار خرید لیتے ہیں اور عوام اپنی رستے  
 کو بے دریغ فروخت کر دیتے ہیں اور اس کی قیمت لیتے ہیں جو کہ کھلی رشوت  
 ہے اور رشوت حرام ہے حدیث میں ہے۔ اَلرَّائِي وَالْمُسْتَشِي وَالْمُتَوَقِّعُ  
 اور دوسری حدیث میں ہے اَلرَّائِي وَالْمُسْتَشِي فِي النَّارِ ۱ رواہ  
 الطبرانی فی المعجم الصغیر لفظ الامام السیوطی فی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۴ کہ رشوت  
 دینے اور لینے والا دونوں ملعون ہیں لہذا موجودہ مروجہ طریقے انتخابات  
 ایک حرام کو فروغ دینے کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ٹھہرتے ہیں۔  
 ۶۔ علاوہ ازیں یہ کہ اس میں رستے فروشی کے ساتھ ساتھ ضمیر فردوشی  
 بھی ہوتی ہے اور ضمیر فردوشی کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کو پورا پورا علم

ہوتا ہے کہ فلاں شخص اس کے ووٹ کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ ایک شریف  
 اور نیک آدمی ہے لیکن وہ اس کے باوجود اس کے مقابل کو یہ جانتے ہوئے  
 کہ وہ مقابلہ حقدار نہیں ہے یا سرے سے ووٹ کا مستحق ہے ہی نہیں اسی  
 کو پیسے لے کر یا کسی دوسرے دنیاوی مفاد کو ملحوظ رکھ کر ووٹ دیتا ہے اور  
 دیدہ و دانستہ غلط فیصلہ کرتا ہے اور اپنے ضمیر کی حمیت و تقاضا کی خلاف ورزی  
 کہہ کے اپنے لئے خود ہی عذاب الہی کا راستہ تجویز کرتا ہے۔ جو کسی طرح  
 بھی کلمہ گو اور ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا اور یہ اسی طرز انتخابات کی لوازش  
 ہے۔ اس لئے یہ طرز انتخابات ہرگز جائز اور قابل قبول نہیں ہے۔

۷۔ یہ کہ ایک اچھے آدمی کے مقابلہ میں برادری اور قوم کے ایک نابالغ  
 اور بُرے آدمی کو ووٹ دے کر عصیت و ناجائز طور پر قوم پرستی اور  
 برادری نوازی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اپنے حق میں فخر و مباہات  
 اور غرور و تکبر کا مظاہرہ کرنے کے علاوہ مقابلہ کی تحقیر و تذلیل کا سلسلہ  
 وسیع پیمانے پر چلایا جاتا ہے اور یہ طریقہ قطعاً اسلام کے منافی ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلٰى اَنْ  
 تَوَاضَعُوا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَبْتَغِيْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ  
 (مشکوٰۃ مشاء بحوالہ مسلم) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ (اپنی امت  
 سے فرماتے کہ) تواضع و انکساری سے کام لو اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے  
 پر فخر نہ کرے اور نہ ہی کسی سے زیادتی کا مرتکب ہو۔ یہ حدیث قدسی ہے  
 اور موجودہ مروجہ طرز انتخابات کی صورت حال کلی طور پر اس ارشاد خدا سے



تدوین کے برعکس ہوتی ہے اس لئے یہ طرز انتخاب ہرگز ہرگز مسلمانوں کے  
شایان شان نہیں ہے۔

۲۔ دوسری حدیث میں ہے مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلَى غَيْرِ الْحَقِّ  
فَهُوَ كَالْبُعْثِ الَّذِي رَذِيَ فَمَنْ يُنْعِ بِذَنْبِهِ (ابوداؤد عن ابن  
مسعود مشکوٰۃ ص ۱۸۱) اپنی قوم کی ناجائز حمایت کرنے والا اس اونٹ کی مانند  
ہے جو کنویں میں گر پڑا اور اس کی دُم پکڑ کر اسے کنویں سے نکالا جا رہا ہو۔ یعنی  
اس طرح کی کوشش سے اونٹ کنویں سے باہر نہیں نکالا جاسکتا۔ ایسا کرنا  
اونٹ کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتا اور ایسی کوشش کرنے والا کم عقل و  
بے وقوف ہے یہ نہی اپنی قوم کی ناجائز (دوٹ وغیرہ ایسی) حرکت سے  
مدد کرنے والا بے وقوف و بے عقل ہے اور وہ عند اللہ قوم کے لئے مفید  
نہیں، اسے گناہ کے کنویں سے ناکام کوشش کے ذریعے نہیں نکال سکتا۔

۳۔ سری حدیث میں ہے حضرت واثر بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ عصبیت کے  
کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الْظُلْمِ کہ اپنی  
برادری کی فکرم پر حمایت کرنا عصبیت ہے (ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۱۸۱)

۴۔ چوتھی حدیث میں ہے لیس مِمَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ  
وَلَيْسَ مِمَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَلَيْسَ مِمَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ  
(ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۱۸۱) کہ وہ شخص ہم میں سے (میری امت سے) نہیں  
جو عصبیت (برادری کی ناجائز حمایت) کی دعوت دے اور وہ شخص ہم میں سے

نہیں جو برادری کی ناجائز حمایت میں لڑے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو  
برادری کی ناجائز حمایت کے جذبہ میں مرے۔

یہ دعوت انصاف و فکر ہے اور عقل سے سوچنے کا موقع ہے کہ موجودہ  
مروجہ طرز انتخاب میں سب سے زیادہ مظاہرہ انتخابات کا نہیں کیا جاتا جس  
سے حدیث شریف میں منع کیا جا رہا ہے بلکہ ایسے شخص کو امت تک سے  
خارج بتایا جا رہا ہے۔ کیا اس کے بعد کوئی مسلمان اس طرز انتخاب کی حمایت  
کر سکتا ہے؟

۸۔ یہ کہ اس میں یا تو دولت مند لوگ دوٹ خرید کر کامیاب ہو جاتے  
ہیں اور یا بد معاش، بد قماش اور غنڈہ ٹائپ لوگ غنڈہ گردی اور فساد مچا کر  
ہڑ بازی کا مظاہرہ کر کے شریف لوگوں کو ڈرا دھمکا کر جعلی دوٹ ڈلو کر کامیاب  
ہو جاتے ہیں اور وہی اسمبلیوں کے ممبر اور صاحب اقتدار ہو جاتے ہیں اور صالح  
شریف لوگ نیچے اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔ رذیل اور حیس قسم کے لوگوں کو بالادستی  
حاصل ہو جاتی ہے جب کہ شریف اور صالح لوگ زیر دست رہ جاتے ہیں  
حدیث شریف میں اس صورت حال کو قیامت کی علامات میں شمار کیا گیا ہے  
بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں  
اِذَا مَسَّ اَلاَ مَرًُّا لِيْ غَيْرِ اَهْلِيْهِ فَانْظُرِ السَّاعَةَ (مشکوٰۃ ص ۱۸۱)  
کہ جب کوئی ذمہ داری نا اہل کو سونپی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اس سے  
بڑھ کر اور قیامت کیا ہوگی کہ سرمایہ دار اور وڈیرے یا غنڈہ گرد اسلامی  
تعلیمات سے قطعاً ناواقف، بے نماز اور شریعت پرست لوگ اسمبلی کے ممبر پھر وہاں



سے صدارت و وزارت وغیرہ کے قلم دان ہاتھ میں لئے ملک دلت کی اسہم  
ذمہ داریوں پر فائز ہو جاتے ہیں اور شریف و صالح اور اہل علم و دانش ان کے  
غلام و محکوم ہو رہے ہیں۔

دوسری حدیث شریف میں ہے: إِذَا..... سَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسْقُمُوا  
وَكَانَ ذِي عَشِيمٍ الْقَوْمِ آذَنًا لِمَنْ هِيَ (ترمذی مشکوٰۃ ص ۱۰۳) کہ جب قبیلہ  
کا فاسق ان کا لیڈر اور قوم بھر کا ذلیل و رذیل ان کا حاکم ہو تو اس وقت  
قیامت کا انتظار کرنا۔ بلاشبہ گذشتہ انتخابات میں جیتے ہوئے لوگوں کی اکثریت  
اسی نوعیت کے لوگوں کی رہی ہے اور اسی کی پاداش میں پاکستان جیسی  
عظیم الشان ممالک و مملکتوں کو تخت ہوتی۔ اگر محب وطن، اہل علم، شریف  
اور صالح و متشرع لوگ منتخب ہوا کرتے تو پاکستان کی حالت ہی کچھ اور ہوتی۔  
۹۔ یہ کہ اس میں عورت و مرد کے ووٹ کی اہمیت مساوی اور برابر  
ہوتی ہے۔ جب کہ عورتیں مردوں کے مقابلے میں کمزور اور تھوڑا شعور رکھتی  
ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ عورتیں عقل و ذہن میں مردوں کی نسبت  
کم ہیں۔ چنانچہ دو عورتوں کی گواہی مل کر ہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی  
ہے الحج (مشکوٰۃ ص ۱۳)

ووٹ کی حیثیت بھی بلاشبہ شہادت کی ہے اور اسلام میں مرد و عورت  
کی شہادت مساوی نہیں۔ بلکہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی شہادت  
مساوی قرار پاتی ہے جب کہ مرد و عورت انتخابات میں ایک مرد کے مقابلے میں  
ایک عورت کا ووٹ ہے جو اسلام میں ناقابل قبول ہے اور ووٹ میں تو

شہادت عورتیں کی ضرورت ہی نہیں۔

یہ کہ جب ووٹ کی حیثیت شہادت کی قرار پاتی تو شہادت کا اہل ہر  
شخص نہیں ہے بلکہ شہادت کی اہلیت کے لئے اسلام نے ایک معیار مقرر  
کیا ہے جسے مرد و عورت انتخابات میں ملحوظ نہیں رکھا جاتا لہذا یہ طریقہ انتخابات  
اسلام کے نقطہ نظر سے قابل قبول نہیں ہے۔

اور شہادت کا اہل کون ہے؟

اس سلسلے میں آج کے دور کی نزاکت و تقاضے کے پیش نظر مجدد علیہ میں  
لکھا ہوا قابل توجہ اور پسندیدہ متن ہے فرماتے ہیں يَشْتَرِطُ أَنْ يَكُونَ  
النَّشَاطُ عَدْلًا وَالْعَدْلُ مَنْ كَانَتْ حَسَنَاتُهُ غَالِبَةً عَلَى  
سَيِّئَاتِهِ (شرح المجمل طبع بیروت صفحہ ۱۰۳۹) یعنی شاہد کا (ووٹ  
دینے والے کے لئے کہنا چاہیے) عادل ہونا ضروری ہے اور عادل وہ ہے  
جس کی نیکیاں اس کی کمزوریوں پر غالب ہوں۔ جب کہ مرد و عورت انتخابات میں  
اس قسم کی کوئی شرط نہیں ہے لہذا یہ طریقہ انتخابات قطعاً غیر اسلامی اور  
ناقابل قبول ہے۔

۱۱۔ یہ کہ عورتیں ووٹ ڈالنے کے لئے باہر نکلتی ہیں۔ مردوں کے ہجوم  
میں جاتی ہیں۔ اختلاط ہوتا ہے۔ وہاں عورتوں کی باہمی رسہ کشی ہوتی ہے  
اور بے غرمتی الگ جب کہ اس کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ لہذا مرد و عورت انتخابات  
اس طرح سے غیر مقبول و ناجائز ہیں۔

۱۲۔ یہ کہ مرد و عورت انتخابات میں ان پڑھ اور پڑھا لکھا، جاہل اور عالم برابر



سمجھ جاتے ہیں۔ ان کی رائے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔ جہالت اور علم، غفلت اور نور برابر درجہ رکھتے ہیں۔ جب کہ قرآن مجید میں هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَمْلِكُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الرمز ۹) کہ کیا اہل علم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ بہ اتفاق علماء یہ استفہام الکاوی ہے۔ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (الانعام ۵۰) فریاد دیجئے کہ کیا (علم سے) اندھا اور علم میں، آنکھیں رکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں تو کیا تم سوچتے نہیں ہو۔

هَلْ يَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ (الرعد ۱۲)

کیا (جہالت کے) اندھیرے اور (علم کا) نور برابر ہو سکتے ہیں؟ قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَتُهُ الْخَبِيثُ (المائدہ ۱۰۰) یعنی فرمائیے کہ بدکار گندہ اور نیکو کار پاکیزہ برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ گندے لوگ ہمیں غیب کثرت میں نظر آئیں۔

هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (الخلع ۷۶)

کیا ایک خدا کا نافرمان اور وہ فرمانبردار جو سیدھے راستے پر گامزن ہے اور دوسروں کو انصاف کا حکم دیتا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟

أَخْمَنُ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ ظَافِعًا لَا يَسْتَفِيدُ ( ) تو کیا ایک با عمل ایماندار ایک بد عمل و نافرمان کے برابر ہو گا۔ یہ برابر

نہیں ہیں۔

لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ (التوبہ ۱۹)

یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات گرامی کی روشنی میں اس حقیقت کی وضاحت ہو گئی کہ مرقہ جہل و زنا انتخابات میں چونکہ جاہل و عالم اور فاسق و صالح کو ایک ہی درجہ میں اور برابر شمار کیا جاتا ہے۔ ایک طرف ایک صالح مسلمان اور دوسری طرف دو فاسق و بد عمل ہوں تو برائی حیت جاتی ہے اور نیکی کی رسوائی ہوتی ہے لہذا یہ طریق انتخاب اسلامی نقطہ نظر سے ہرگز ہرگز درست نہیں ہیں۔

۱۳ یہ کہ اسمبلی میں پہنچنے والوں کی اکثریت بھی ایسے ہی لوگوں کی ہوتی ہے۔ جن کی زندگی کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسلام کی تعلیمات کو قانون اور ضابطہ کی شکل میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے ہیں وہ اپنی اجتماعی خواہشات کی دیوار کھڑی کر کے بیک آواز جو چاہتے ہیں پاس کر دیتے ہیں۔ صالحین اور نیک لوگوں کی آواز دُب کر رہ جاتی ہے حالانکہ حکم یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ شایانِ شان سلوک کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَسْرِعُوا الشَّيْءَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْتَهِيَ (مسلم وابوداؤد عن عائشہ رضی اللہ عنہا) و صحیح السیوطی جامع صغیر ج ۱ ص ۱۰۱ کہ لوگوں کو ایک ہی لاشی سے مت ہانکو بلکہ انہیں، ان کے شایانِ شان درجہ دو۔ اسمبلیوں میں جہاں کہ لوگ بکثرت جاہل اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور بالغ راستے وہی کی بنیاد پر مختلف جیلوں و محبوسوں سے پہنچ جاتے ہیں صرف اکثریت ہی کا فیصلہ نافذ ہوتا



ہے۔ خواہ وہ اسلام کے خلاف ہی ہو اور صالحین و متقین کا فیصلہ رد کر دیا جاتا ہے خواہ وہ قرآن و سنت کے عین مطابق ہو۔ یہ صورت حال حدیث مذکورہ کے قطعاً خلاف ہے۔ کسی کو اس کے شایان شان درجہ دینے کے معنی یہی ہیں کہ ان کی بات کا وزن بھی ان کی شخصیت کے مطابق کیا جائے۔

۱۲۔ یہ کہ موجودہ و مروجہ طریق انتخابات میں چونکہ جاہل و اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ اور وطن سے دلچسپی تک نہ رکھنے والے بھی شریک ہوتے ہیں۔ جرائم پیشہ اور دنیا پرست بھی۔ تو ایسے لوگوں کو غیر ملکی طاقتیں خرید لیتی ہیں اور ان کے لئے اپنے غرائز کے منہ کھول دیتی ہیں اور اپنے خاص نظریات کی ترویج و اشاعت کے لئے ان کو آلہ کار بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں اور وہ اسی دولت سے دوسرے ووٹروں کو خرید لیتے ہیں اور دوسرے منتخب ممبروں کو اپنا ہمنا کر لیتے ہیں۔ اس طرح سے غیر ملکی مداخلت کا سلسلہ چل نکلتا ہے اور اس کے نتیجے میں ملک اپنے مقاصد سے محروم ہو کر غیر ملکی و غیر اسلامی نظریات اور لادینی افکار کی آماجگاہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے موجودہ طرز انتخاب کی اجازت دینا وطن عزیز کی بربادی کے لئے راستہ ہموار کرنے کے مترادف ہے۔ اور حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی بھی۔

لہذا ایسے انتخابات کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۱۵۔ یہ کہ ان انتخابات میں ہر شخص میں ممبر بن جانے کا شوق اور الٹے شدھے دوا بیچ لگا کر اسمبلی تک پہنچنے کی اندھی ہوس پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلام میں جاہ طلبی و ہوس کی حد تک ممنوع ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّا لَذُخْرٌ لِّمَنْ حَرَصَ (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۲۲) بلاشبہ ہم کسی (کیدی) منصب پر اس کے حرص رکھنے والے کو ناز نہیں فرماتے اور حرص و رغبت مذموم کا نام ہے۔ لہذا یہ طرز انتخابات جائز نہیں ہے۔

۱۶۔ یہ کہ اسی حرص و ہوس میں پارٹیاں اور اشخاص لوگوں سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ منشور میں وہ بلا کے مبالغے کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ گزشتہ حالات ہمارے لئے سبق آموزی کو کافی ہیں اور جو پارٹی مبالغہ آمیز اور جھوٹے وعدے دکرے، سبز باغ نہ دکھائے، عوام کو تکلفات و نقصانات کے ذریعے قائل دکرے وہ انتخاب نہیں جیت سکتی۔ اس لئے ان انتخابات کے ذریعے سچے لوگوں کی پارٹی کی بجائے جھوٹے اور مکار لوگوں کی پارٹی برسرِ اقتدار آ جاتی ہے اور مکاری، جھوٹ اور شر و فساد کو فروغ دیتی ہے۔ دینی و اسلامی اقتدار کو پامال کرتی ہے اس کے ذریعے باطل کا سراو بچا ہو جاتا ہے اور حق کو سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ اگرچہ حق دلائل و حجت میں ہمیشہ غالب رہے گا اور اس کا سر بلند و بالا دکھائی دے گا۔ مگر مرد و ج انتخابات کو دلائل و حجت سے کیا واسطہ؟ یہاں تو بولنے والا اور گونگا برابر ہیں۔ چوٹی کا عقل مند و نیچے پاگوں کے آگے بے بس ہوتا ہے۔ ان انتخابات میں ایک سیر خالص سونا و دوسیر مٹی کے ڈھیلوں کے سامنے کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتا۔ یہاں کوئی جس قدر سچائی سے کام لے گا اسی قدر مار کھائے گا اور مار جائے گا اور جو جس قدر جھوٹ بولے گا اور لُغَةُ اللّٰهِ عَلٰی الْكَافِرِینِ کا مصداق بنے گا۔ اسی قدر اس



کی واہ واہ ہوگی۔ اسی قدر اس کے ارد گرد لوگوں کا جھوم ہوگا۔ اسی کو سیستان تصور کیا جاتے گا۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ط

الْبِیَاضَاتُ مِنْ تِلْكَ الْخَوَافَاتِ

۱۷۔ ان انتخابات کی یہ خرابی بھی مسلمات میں سے ہے۔ بہت سی پارٹیاں جن کا ایک مقصد، ایک نصب العین اور ایک ہی نشان منزل ہے اپنے فروعی قسم کے اختلافات کو قیمتی سے نظر انداز نہیں کر پاتیں یا غیر ملکی ایجنٹ جو ان کے ہم فوا ہو کر ان میں گھس جاتے ہیں۔ انہیں باہم متحد نہیں ہونے دیتے، نتیجتاً انتخابات کے موقع پر یہ لوگ پھٹے سہتے ہیں ایک دوسرے کے مقابلے میں متعدد امیدوار کھڑا کر دیتے ہیں۔

۱۸۔ حرم یک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک

کچھ بڑی بات تھی ہر تے جو مسلمان بھی ایک

ان کے ستر فیصد ووٹ شمال کے طور پر تین جگہ تقسیم ہو کر ان کے مجموعی طعہ پر بار جانے کا باعث ہو جاتے ہیں جب کہ ان کے مقابلے میں تیس فیصد ووٹ لینے والا باطل کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہم وطن لوگوں اور بیرونی دنیا کی نظروں میں یہ بات آگئی کہ اسلام بار گیا اور کمیونزم جیت گیا۔ حالانکہ دراصل اسلام کو ووٹ زیادہ ملے تھے اور کمیونزم کو کم۔ مگر اسے کون دیکھتا ہے۔ اس طریق کار سے ملک رسوا ہوا۔ اسلام کی قوت و شوکت کو نقصان پہنچا۔ شرافت کو ناقابل تلافی ضیعت پہنچا۔ جس کے نتیجے میں پورے ملک پر گمراہی کے بادل

اُبڑ کر آجاتے ہیں اس کے باوجود قباحتوں کے طوفانوں کا قصور ہے اس سے ایک مسلمان کا کلیجہ شق ہونے کو آتے بغیر نہیں رہتا۔

۱۸۔ یہ کہ کامیاب ہونے والی پارٹی، جس طرح سے پارٹی لازمی کا مظاہرہ

کرتی ہے۔ اس سے ہر پاکستانی باخبر ہے اس سے قطع نظر کہ ان افراد جماعت یا پارٹی کے کارکنوں کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ انہیں پوری قوم پر مسلط کر دیا جاتا ہے ملک کے پورے انتظامی ڈھانچہ پر انہی کا تسلط اور کنٹرول ہوتا ہے۔ جو صاحب منصب ان کی نہ مانے اس کا منصب متعلقہ پرفائز و باقی رہنا غیر یقینی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے انتظامیہ برسر اقتدار پارٹی کے کارکنوں سے مرعوب ہو کر ان کی ہر جائز و ناجائز سفارش ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ صورت حال ملک کے عوام و خواص کو درد حقیقت برسر اقتدار پارٹی کا غلام بنا کر رکھ دیتی ہے۔ برسر اقتدار پارٹی کے کارکن رشوت کھانے لگ جاتے ہیں، رشوت کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے اور اس پارٹی کے کارکن جو کبھی غریب اور مخلص تھے چند دنوں میں امیر ہو گئے۔

بھٹو صاحب کی پارٹی نے بالخصوص یہی عمل کھلاتے اور اس سلسلے میں بڑی طرح ڈالی گئی ہے اب آئندہ کسی بھی برسر اقتدار پارٹی کا اس سے محفوظ رہنا مشکل نظر آتا ہے۔ اس لئے اس طرز کے انتخابات جہاں اسلام کے خلاف ہیں وہاں ملک و قوم کے لئے بھی تباہ کن ہیں۔

۱۹۔ یہ کہ ان انتخابات میں برسر اقتدار پارٹی کے علاوہ دوسری پارٹیاں جو

اختلاف کا کردار ادا کرتی ہیں۔ برسر اقتدار پارٹی سے محاذ آرائی شروع ہو جاتی ہے



ایک دوسرے کو نچا دکھانے اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی حزب اقتدار کی طرف سے حزب اختلاف کے کارکنوں اور راہنماؤں پر عرصہ حیات محک کر دیا جاتا ہے۔ یار شوقوں کے ذریعے ان کے کارکنوں کو خرید لیا جاتا ہے یا جھوٹے مقدمات میں انہیں لوٹ کر کے اپنی پارٹی کو چھوڑ کر برسر اقتدار پارٹی کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کر دیا جاتا ہے اس طرح وہ اپنی پارٹی سے بے وفائی کر کے حزب اقتدار سے جاملتے ہیں۔ یہ صورت حال ملک دلت کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں رہتی بلکہ بربادی کا باعث بنتی ہے۔

۲۰۔ حزب اقتدار اپنے اقتدار کو ملول دینے یا آئندہ متوقع انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہی جائز و ناجائز کارروائیاں شروع کر دیتی ہے حتیٰ کہ من مانی کرتے ہوئے ملک کے آئین تک کو بدل کر یا مختلف ترامیم کر کے اس کی صورت مسخ کر کے رکھ دیتی ہے۔

ہر کہ آمد عمارت فوساخت

کی مصداق قرار پاتی ہے۔ یہ صورت حال بھی ملک دلت کے لئے خطرناک ہو کر اس کے تزلزل کا باعث بن جاتی ہے۔

۲۱۔ یہ کہ اس کے برعکس حزب اقتدار لوگوں سے داد و دہش حاصل کرنے اور نام نہاد جمہوریت پرستی کا مظاہرہ کرنے کے لئے حزب اقتدار کو جائز و ناجائز تنقیحات کا نشانہ بناتی ہے۔ اسمبلی ہال میں ایک دوسرے پر تیز و تند حملے کئے جاتے ہیں۔ گالی گلوچ تک فوجت پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ گزشتہ حالات اگر کسی کے حافظہ سے عموماً نہیں ہوتے تو یاد ہو گا کہ حزب اقتدار

حزب اختلاف میں ہاتھ پائی اور ایک دوسرے پر کرسیاں اٹھا اٹھا کر پھینکنے، طمانچے رسید کرنے اور ایک دوسرے کو اسمبلی ہال سے مار پیٹ کر نکال باہر کرنے کے واقعات بھی ہوتے رہے ہیں۔

۲۲۔ یہ کہ پورا ملک کشیدگی، پارٹی بازی کے افتراق و انتشار کا شکار ہوتے بغیر نہیں رہتا۔

۲۳۔ یہ کہ اسلام میں حزب اقتدار و حزب اختلاف کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن موجودہ و مروجہ انتخابات میں حزب اقتدار و حزب اختلاف کا تصور لازم ہے۔ اس کے بغیر نام نہاد جمہوریت کا تصور مکمل ہی نہیں ہوتا۔ جب کہ اس کے برعکس اسلام میں ایک ہو کر باجمعی اتفاق و اتحاد اور ایک دوسرے سے تعاون کر کے نظام حکومت چلانے کا حکم ہے۔ اسلام کے سربراہ کی کوئی علیحدہ جماعت پارٹی کا کوئی تصور نہیں بلکہ ایک ہی جماعت ہونے کا حکم ہے علیحدہ علیحدہ پارٹیاں کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ملک میں ایک ہی جماعت ہو جس کی قیادت صحیح العقیدہ اہل علم باعمل اور پابند شریعت حضرات کریں۔ جو ان سے الگ ہو گا اور بڑی جماعت سے جدا ہو کر اپنی پارٹی علیحدہ بنائے اور حکومت و ادارت کی تدبیر و تدبیر کو اپنا دھیرہ بنائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عزت نہیں پائے گا چنانچہ حدیث شریف میں حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ وَاسْتَذَلَّ اِمَارَةً لِّبْنِ اَللّٰهِ وَلَا وَجْهَ لَهٗ  
(مسند امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ جلد ۵ صفحہ ۴۰۶/۳۰۶) یعنی جو شخص جماعت



سے علیحدہ ہوا اور اس نے حکومت کی تدبیر و تدبیر کا سلسلہ اختیار کر لیا وہ خدا تعالیٰ سے یوں ملے گا کہ اس کی کوئی عزت و عظمت نہ ہوگی۔

یہ حدیث سامنے رکھنے کے بعد دیکھا جائے تو حزب اختلاف کا حزب اقتدار کے ساتھ اور حزب اقتدار کا حزب اختلاف کے ساتھ جو خصمانہ و معاندانہ رویہ دیکھنے میں آتا ہے۔ اس میں یہ جز بہر صورت عیاں اور نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ پارٹیوں کے علیحدہ علیحدہ تشخص سے ملک اور ملت کے باشندوں میں بھی علیحدگی و فرقہ پرستی کے جذبات ابھرتے ہیں اور امت کی وحدت کو نقصان پہنچتا ہے لہذا حزب اقتدار و اختلاف کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے اور مروجہ انتخابات جس سیاست پر مبنی ہے اس سیاست میں ملک میں دو مخالف جماعتوں (دو برسر اقتدار اور برسر اختلاف) کا وجود بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے مروجہ انتخابات بالغ رستے وہی کی صورت میں اسلام کے نقطہ نظر سے جائز نہیں ہیں۔

سوال :- کیا غیر مسلموں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا ؟

الجواب :- بلاشبہ غیر مسلموں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا یعنی اسلامی ریاست میں سربراہ ریاست یا اسس کی شہرہ کی کے معاملہ میں غیر مسلموں کی نہ تو رستے لی جائے گی اور نہ ہی انہیں نمائندگی دی جائے گی۔ اس سلسلے میں ان کی مداخلت کا کوئی جواز نہیں، قرآن و سنت اور فقہاء امت کی مندرجہ ذیل ہدایات واجب التعمیل ہیں جن سے ایک اسلامی ریاست کے لئے انحراف ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ  
لَا يَأْتِيَنَّكُمْ خَبَايِلُ طُغْيَانٍ مَّا  
عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْيَاءُ مِّن  
أَفْرَاسِهِمْ وَمَا تَخْفَىٰ ضُورُهُمْ  
أَكْبَرُ حَقْدَ بَنِي آدَمَ الْآيَاتِ  
إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ

(سورہ آل عمران ۱۱۸)

مسلمانو! اپنے لوگوں کے علاوہ  
مخالفین کو اپنا راز دار نہ بناؤ کہ وہ تمہاری  
حالت خراب کرنے میں کوئی کمی نہ کریں  
گے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تمہیں  
تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں  
سے ظاہر ہو چکی اور (غضبِ عدوت)  
جو ان کے دلوں میں چھپے ہیں وہ اس  
سے بھی بڑھ کر ہیں ہم نے تمہیں کھول  
کر باتیں کہہ دی ہیں اگر تمہیں عقل ہے

اس آیت سے صاف ظاہر معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے ہم مذہب و دینی  
بھائیوں کے علاوہ کسی کو بھی ملک و ملت کے اہم معاملات میں شریک کرنا جائز  
نہیں۔ کیونکہ اس سے ملک و ملت اور اس کے افراد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ  
ہے۔ یہ ملکی و ملی مصالح و حکمتوں کا تقاضا اور فلاح و بہبود پر مبنی فتنہ و فتنہ کا  
اہم ضابطہ ہے اسے تنگ نظری کا نام دینا بجائے خود تنگ نظری قرار پاتا ہے  
جیسے مضر اور نقصان دہ چیزوں کے استعمال سے حکماء و علماء منع فرماتے ہیں  
اور ان کی ہدایات کو "اصول حفظانِ صحت" کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے کوئی بخونہ  
حکیموں اور ڈاکٹروں کی تنگ نظری سے تعبیر نہیں کرتا۔ یونہی خدا و رسول و اسلام کی  
ان ہدایات کو بھی "اصول حفظانِ دین" اور "اصول حفظانِ ریاست اسلامی"



تصویر کیا جاتے گا۔

امام قرطبی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

لَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى الْمُؤْمِنِينَ  
بِهَذِهِ الْآيَةِ أَنَّهُ يَتَّخِذُ وَاحِدًا  
الْكُفَّارَ وَالْيَهُودَ وَأَهْلَ الْأَهْوَاءِ  
دُخْلًا وَوَلِيَّاءَ يُفَاوِضُونَهُمْ  
فِي الْأَرْبَاءِ وَيُسْنِدُونَ إِلَيْهِمْ  
أُمُورَهُمْ ط

(تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۷۸)  
میں ان پر اعتماد و اعتراف نہ کریں۔

اس آیت میں گویا مسلمانوں پر سخت پابندی لگائی گئی ہے اور انہیں سختی سے آگاہ کیا گیا ہے کہ غیر مسلم خواہ وہ بت پرست ہوں یا یہودی و عیسائی ہوں یا کوفی دوسرے بد مذہب و لا دین ہوں۔ ان کو ملکی و ملی اہم منصب نہ سونپیں، ان سے راستے لینے کی بھی نہ سوچیں۔ ان پر کسی طرح کا اعتماد نہ کریں جب سے مسلمان حکمرانوں اور اسلامی سربراہوں نے خدا تعالیٰ کے ان احکام کی پابندی کی ان کی حکومتیں مستحکم رہیں اور ان کے اقتدار کو پائیداری حاصل رہی اور جب انہوں نے ملک و ملت اور اسلام کے بارے میں تساہل پسندی، نرم غرق دوسرے لفظوں میں بزدلی اور مداہنت اختیار کی ان کی حکومتوں کو تباہ و بالا کر دیا گیا ان کے اقتدار کو زوال آگیا اور وہ صرف غلط کی طرح خود بھی صفحہ ہستی

سے مٹا دیئے گئے اور ملک و ملت کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہا۔

مفسر موصوف یہی رونا روٹے ہوئے بڑی حسرت و یأس کے ساتھ فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَقَدْ أَقْلَبْتُ الْأَحْوَالَ  
فِي هَذِهِ الْأَعْيَانِ بِاتِّخَاذِ أَهْلِ  
الْكِتَابِ كُتَبَةً وَأُمَنَاءَ وَكَوَدًا  
بِذَلِكَ عِنْدَ الْجَمَلَةِ الْأَعْيُنِيَّةِ  
مِنْ أَوْلَادِهَا وَالْأُمَمِ ط

(تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۷۹)  
معاذوں و خاص تعلق دار مشیر وغیرہ بنا لیا اور ان غیر مسلموں کے ان حکمرانوں کے ہاں اپنا خاص مقام پیدا کر لیا۔

الفضل باغیر مسلموں کو سربراہ کے انتخاب، اسی طرح مجلس شوریٰ اور وزارت و دیگر کلیدی مناصب کے قریب بھی نہ بٹھکنے دیا جاتے۔

پہنچنے علامہ موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں۔

كُلُّ مَنْ كَانَ عَلِيًّا  
خِلَافَ مَذْهَبِكَ وَدِينِكَ خِلَافًا  
يَذْبَحُ لَكَ أَنْ تَخَادَتَهُ ط

(تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۸۰) مست لور۔  
لہذا غیر مسلموں کو ملکی و ملی امور میں بطور مشیر شریک نہ کیا جاتے اور نہ ہی



اہم منصب پر ان کا تقرر کیا جائے۔

۲۔ امام عبد بن حمید و امام ابو ہبلی و ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ۔ یعنی مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ

لَا تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ تم اپنے ملکی دلی کاموں میں  
فِي شَيْءٍ مِنْ أُمُورِكُمْ وَتَصَدِّقُوا غیر مسلموں کو مشیر نہ بناؤ اور اس کی  
ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ يَا أَيُّهَا تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے  
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً کہ اے ایمان والو! تم اپنوں کے سوا  
مِنْ دُونِكُمْ مَطَر دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

(تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۶۹)

اس میں بڑی مباحث کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کو ایسے ادارہ میں شریک نہ کیا جائے جو ادارہ ملک و ملت کی فلاح و بہبود اور اسلام قلم کے لئے باہمی صلاح و مشورہ کے لئے تشکیل پذیر ہو۔

۳۔ امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر میں آیت مندرجہ بالا کے تحت لکھتے ہیں کہ سیدنا عرفانہ و ق رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ ایک غیر مسلم ذمی غلام ہے جو بڑا ہی ذہین اور لکھنے کا ماہر ہے مناسب ہوگا کہ آپ اسے بطور محرر ملازم رکھ لیں آپ نے جواب دیا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ تعالیٰ

کے ارشاد لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا۔ امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ

فَفِي هَذِهِ الْأَشْرَافِ هَذِهِ  
الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ أَهْلَ  
الدِّمَّةَ لَا يَجُوزُ اسْتِعْمَالُهُمْ  
فِي الْكِتَابَةِ الَّتِي فِيهَا اسْتِطْلَافُ  
عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَاطْلَاعُ عَلَى  
دَوَاحِلِ أُمُورِهِمُ الَّتِي يَخْشَى  
أَنْ يُفْشَوْهَا إِلَى الْأَعْدَاءِ وَهِيَ  
أَهْلُ الْحَرْبِ ۝

اس روایت و آیت کریمہ میں  
اس بات کی دلیل ہے کہ غیر مسلموں کو  
لکھنے کا وہ کام سونپنا جائز نہیں جس  
میں انہیں اہل اسلام پر کسی قسم کی برتری  
حاصل ہو اور وہ مسلمانوں کے ان  
اندرونی معاملات سے واقف ہوں  
جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ انہیں  
دشمنان دین اہل حرب تک پہنچا  
سکتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۵)

اس میں واضح ہے کہ ان کو چھوٹے منصب سے لے کر کسی ایسے بڑے منصب پر فائز کرنا جائز نہیں۔ جس میں وہ مسلمانوں پر کوئی فوقیت پاتیں لہذا مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ میں تو کسی طرح بھی ان کی فائزنگی جائز قرار نہیں پاتی۔

سوال :- کیا عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔

الجواب :- بلاشبہ عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔ اور یہ جواب مندرجہ

ذیل وجوہات پر مبنی ہے۔

ارائے یسنے کا مطلب یہ ہے کہ رائے دینے والے کو کامل العقل اور



صاحب شعور تام سمجھا رہا ہے جب کہ قرآن و سنت کی روشنی میں عورت نافض العقل بھی ہے اور ناقص دین بھی جیسا کہ میسج بخاری میں ہے اور مسکوٰۃ کے ص ۱۳ کے حوالے سے مقالہ ہذا کے صفحہ پر حدیث لکھی جا چکی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک مرد کے مقابلہ میں ایک عورت کی نہیں دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَنْ تَحْضِلَا فَمَنْ كُنْتُمَا أَحَدُكُمَا  
الْأُخْرَىٰ ۝

(البقرہ ۲۸۲)

یہ حقیقت ایسی سلب ہے کہ مغرب کے مفکرین ہم نے اسے تسلیم کیا ہے چنانچہ مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک (Hoolock Ellis) نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لئے دھوکا اور فریب بہ منزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے ۲۔ دوسری وجہ یہ کہ عورت کا مقصد تخلیق گھر و بچہ اور تربیت اولاد کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی میں عورت کی امامت مکروہ فرمائی گئی ہے اور اذان و خطابت بھی کہ یہ تمام امور جہاں اس کی گھر و بچہ و اولاد پر اثر انداز ہوتے ہیں وہاں اس کی نسوانیت کے تقاضوں کو بھی ملحوظ کرتے ہیں کہ اس کام کے لئے وہ باہر نکلے گی اور اس کا باہر نکلنا اور بے حجابانہ پھرنا اس کی نسوانیت کے منافی ہے کہ شریعت نے اسے چادر اوڑھنے، حجاب کرنے کا پابند کیا ہے اور رلتے دہی کے لئے اسے خواہ مخواہ چادر اور چادر دیواری کو خیر باد کہنا پڑے گا جو کہ خود اس کے لئے اور اجتماعی معاشرہ کے لئے ہرگز

درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ

وَحَرَّمَ عَلَيْنَا أَنْ نَكُونَ مِثْلَ  
الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

اس آیت کی تفسیر میں علماء مفسرین کہتے ہیں: قبل اسلام عورتیں سر اٹھاتے پھرتی تھیں۔ اپنے محاسن و زینت کا اظہار کرتی تھیں۔ نیم عریاں لباس پہنتی تھیں۔ سر نہیں ڈھانپتی تھیں۔ قرآن نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور واضح طور پر ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَاتَّقِ  
الْمُؤْمِنِينَ وَتَقِ الْمَوَدَّةَ  
الَّتِي بَيْنَهُمْ ۝

(احزاب ۵۹)

یعنی جب گھر سے باہر نکلا ہو تو سراور منہ پر چادر کا حصہ ڈال کر نکلیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن جریر وابن ابی حاتم وابن ماریہ و تخریج کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جب گھروں سے کسی کام کو نکلیں اَنْ يُفْطِنَ وَجُوهُهُنَّ مِنْ مَوَدَّةٍ مِمَّنْ  
بِالْجَلْبَابِ وَيُغْشِيْنَ رُءُوسَهُنَّ بِحِجَابٍ مِمَّنْ ۝ (تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۲۱)



رکھیں تاکہ چلتے پھرنے میں حرج نہ ہو۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں مسلمان عورتوں کو حجاب کر کے نکلنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے شریعت کا مقصد یہی ہے کہ عورتوں کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ گھر پر امور کے لئے ہیں اور ان کا باہر نکلنا کسی ضرورت و حاجت کے بغیر مناسب نہیں اور اگر نکلیں بھی تو حجاب کے ساتھ نکلیں۔ ایسی صورت میں انہیں ایسے کاموں میں دلچسپی لینا کیونکر زیب ویتا ہے جن میں مردوں سے یہ مقصد بھٹن و غنوی حاصل ہو سکتا ہے۔ لہذا انہیں بلاوجہ و بلا ضرورت مردوں کی طرح رائے دہی کے لئے جانا اور حصہ لینا بھی جائز نہیں۔

۳۔ علاوہ انہیں عورتیں اپنے خانگی امور میں دلچسپی لینے کی پابند ہیں اور یہی ان کا مقصد تخلیق ہے جب وہ کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف رائے دینا چاہیں گی تو انہیں اجنبی مردوں کے بارے میں پہلے معلوم بھی کرنا ہوگا ان کی شخصیت اور شخصیت سے متعلقہ اوصاف پھر ان کے مشاغل اور ان کا حلقہ یاران بھی معلوم کرنا ہوگا کہ انسان کی شخصیت سے متعارف ہونے کا ایک پہلو اس کے حلقہ احباب کے افراد بھی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے تو ایک رائے دہی کے لئے ایک خاتون کو کس قدر امور کی چھان بین کرنا ہوگی اور یہ خبر پھر بھی اس کے لئے تسلی کو ناکافی ہوگی۔ لہذا اس کا رائے دہی میں حصہ لینا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔

۴۔ جب فقہاء اسلام خواتین کے مساجد میں آنے کے روادار نہیں ہیں تو اس کے رائے دہی کے لئے نکلنے اور اسمبلی میں جانے کے روادار کیونکر ہو سکتے

ہیں اور مساجد میں آنے کی ممانعت محدثوں میں آئی ہے چنانچہ صحیح بخاری کی کتاب الاذان و صحیح مسلم کی کتاب الصلوٰۃ اور سنن ابی داؤد کی بھی کتاب الصلوٰۃ اور سنن ترمذی کی کتاب الجمعہ اور ترمذی کی کتاب القبۃ میں موجود ہے کہ

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم ما احدث النساء خواتین کی جہتوں کو ملاحظہ فرماتے تو انہیں لم یمنعن المسجد مسجد سے روک دیتے۔

اس کے بعد کونسا مسلمان ہے جو اسلامی تقاضوں کو سمجھتے ہوئے یہ کہنے کی جسارت کرے کہ ہاں رائے دہی کے لئے ان کا گھر دس سے باہر جانا جائز ہے ۵۔ پھر چونکہ عورتیں ناقص العقل ہیں اس لئے ان کی رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں ان سے رائے لینا، ان سے مشورہ لینا ہے اور ناقص العقل کا مشورہ بھی نقصان سے خالی نہیں ہوگا۔

۶۔ امام مودودی علیہ الرحمہ متوفی ۱۹۷۲ء اور امام ابو یعلیٰ متوفی ۸۵۸ء اپنی اپنی احکام سلطانہ میں فرماتے ہیں۔

لَا يَجُوزُ أَنْ تَقُومَ بِدَلَالَةِ كَمُشِيرٍ وَوَزِيرٍ فِي ذِمَّةِ دَارِيَا عَوْرَةٍ كَمُشِيرٍ وَوَزِيرٍ فِي ذِمَّةِ دَارِيَا عَوْرَةٍ  
أَمْرٌ وَإِنْ كَانَ خَبَرُهَا مَقْبُولًا كَمُشِيرٍ وَوَزِيرٍ فِي ذِمَّةِ دَارِيَا عَوْرَةٍ  
لِمَا تَقْضِيَّتُهُ مَعَ الْوَلَايَاتِ كَمُشِيرٍ وَوَزِيرٍ فِي ذِمَّةِ دَارِيَا عَوْرَةٍ  
الْمَصْرُوفَاتِ عَنِ النِّسَاءِ بِقَوْلِ كَمُشِيرٍ وَوَزِيرٍ فِي ذِمَّةِ دَارِيَا عَوْرَةٍ  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَمُشِيرٍ وَوَزِيرٍ فِي ذِمَّةِ دَارِيَا عَوْرَةٍ  
مَا أَفْلَحَ قَوْمٌ أَسَدُوا أَمْرَهُمْ كَمُشِيرٍ وَوَزِيرٍ فِي ذِمَّةِ دَارِيَا عَوْرَةٍ



الحق امری ط کیا کی رو سے عورتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔  
(الاحکام السلطانیہ ص ۲ ماوردی ص ۳۱ ابویعلیٰ)

اس کے بعد امام ماوردی علیہ الرحمۃ اور امام ابویعلیٰ فرماتے ہیں کہ  
ولان فیہا طلب الرأی و وزارت و مشاورت کا معاملہ  
ثبات العزم و ما یضعف عند عورت کے لئے اس لئے بھی منع ہے  
النساء و البر فی مباشرة کہ اس میں راستے مطلب اور ثبات  
الامور مینما هو علیہن محذور عزم مقصود ہوتا ہے اور اسی طرح کی  
(الاحکام السلطانیہ ص ۲ ماوردی وہ چیزیں درکار ہوتی ہیں جن کی ادائیگی  
ص ۳۱ ابویعلیٰ) سے عورتیں کمزور ہوتی ہیں اور ان امور  
میں عورتوں کو نہ لگنا بجائے خود منوع ہے

بجہ تعالیٰ یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو گئی کہ عورتوں سے  
رہنے لینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ملکی و ملی مناصب ان کے سپرد کئے جاسکتے  
ہیں پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ و خلفائے راشدین کی  
سنت مطہرہ اور ان کے بعد کے شاہان اسلام و حکمران عادلان اسلام کے نزدیک  
ادوار صفحات تاریخ پر تاباں و درخشاں نظر آتے ہیں ان میں کہیں بھی یہ بات نظر  
نہ آئے گی کہ عورتوں کی رہنے کو اس قدر اہمیت دی گئی ہو کہ وہ ملک و ملت کے  
اہم امور و اہم مناصب پر فائز ہوتی ہوں۔

لہذا بالغ رہنے و ہی میں عورتوں کی رہنے لینے کی ضرورت نہیں ہے یہی

اسلامی نقطہ نظر ہے البتہ بعض ان امور میں جن کا تعلق نسوان سے ہے عورتوں  
سے مشورہ لیا جائے گا۔ صحابہ کرام و اسلاف و فقہاء کرام کی یہی ہدایت ہے اور  
اسی پر عمل رہا ہے

اسی طرح فقہ کی کتابوں میں قطعاً صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور و مکتوب  
چنانچہ شرح منہاج امام نووی علیہ الرحمۃ میں فرماتے ہیں۔

(ومنها کونہ ذکر) کہ اس کے منصب کے لئے مرد ہی ہونا  
چاہیے۔ اس کی شرح میں علامہ شیخ عبدالحمید شروانی و علامہ امام ابن القاسم العباسی  
لکھتے ہیں کہ مرد کی شرط اس لئے ہے کہ

لِضَعْفِ عَقْلِ الْأُنثَى وَعَلِيم  
عورتیں ضعیف العقول ہوتی ہیں۔  
مُخَالَطَتِهَا لِلرِّجَالِ وَصَحَّ حَنْبِ  
اور انہیں اجنبی مردوں سے میل جول  
لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَكْثَرُهُمْ  
بھی منع ہے اور اس سلسلے میں صحیح  
أَمْرٌ (ج ۹ ص ۷۵)  
حدیث ہے کہ جو قوم اپنے ملکی و ملی  
معاملات میں عورتوں کو اہمیت دے گی  
وہ ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔

فتاویٰ درمختار اخلاف میں بھی مرد ہونا ضروری قرار پایا ہے اور اس کی  
شرح میں امام الفقہاء علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَلَا تَنْتَظِرُ الْبُيُوتَ فَكَانَ  
کہ عورتوں کو اس لئے رہنے دیئے  
بِالْقَرَارِ فِي الْبُيُوتِ فَكَانَ  
قیادت و امارت و مشاورت وغیرہ  
مَبْنًى حَالِيَةً عَلَى  
ایسے ملکی و ملی اہم معاملات میں شریک نہ



الستراط  
(فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۵۴۸) کیا جائے گا کہ انہیں گھروں میں بیٹھ کر گھر بیچ ذمہ داریاں پوری کرنے کا حکم ہے تو ان کا حال پر وہ پر مبنی ہے

اس کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں والیہ اشارہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لن یمنح حشور ولوا امرهم امر عت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنے معاملات میں عورتوں کو قاتل بنایا" سے بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے۔ الغرض! غواہین کو رائے وہی میں شریک کرنا ملک و ملت کی بہتری کے خلاف ہے۔ البتہ نسوانی امور میں جن سے مرد مطلع نہیں ہوتے عورتوں سے ہی رائے لی جاتے گی۔ شریعت کے مقتدا اول کی یہی ہدایات ہیں اور ان کا خود اپنا عمل بھی یہی رہا ہے کہ وہ تعلقہ امور میں عورتوں سے مشورہ لیتے تھے

علاوہ ازیں ترمذی کی حدیث میں ہے۔

"جب تمہارے حاکم اور امیر تم میں سے بہتر لوگ ہوں اور تمہارے والد اسنی اور تمہارے کام باہمی مشورے سے ہوں تو پھر زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے یعنی تمہیں زندہ رہنے کا حق ہے اور جب تمہارے سربراہ گھٹیا لوگ ہوں اور تمہارے والد یا بخیل ہو جائیں وَاْمُورُكُمْ اِیْ نِسَائِكُمْ اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے مشورے سے طے پائیں تو زمین کا اندر قبر تمہارے لئے بہتر ہوگی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۵۱۸)

اس حدیث میں عورتوں کے ہاتھ میں اپنے ملکی و ملی معاملات دینے اور ان کے مشورہ پر عمل کرنے کو خطرناک و لائق احتراز بتایا گیا ہے اور واضح طور پر اسے موت کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے اس سے وہ امور مستثنیٰ ہیں جو عورتوں سے متعلق ہیں۔ اسی طرح امام جلال الدین سیوطی مسند امام احمد و طبرانی و مستدرک کے حوالے سے جامع صغیر میں روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ هَلَكَتِ الرِّجَالُ حِينَ اطَاعَتِ النِّسَاءَ یعنی مرد اس وقت تباہ ہو جائیں گے جب عورتوں سے رائے لے کر اس پر عمل کریں گے۔ اس کی شرح میں امام عبدالرؤف منادی فرماتے ہیں۔

عَنْ عُمَرَ خَالِفِ النِّسَاءِ سَيِّدَا عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فرماتے ہیں فَإِنَّ فِي خِلَافِهِمُ الْبَرَكَةَ کہ عورتوں کی رائے کے خلاف چلو بلاشبہ (فیض القدیر ج ۲ ص ۳۵۲) ان کے خلاف چلنے میں برکت ہے۔

اس میں عورتوں کی رائے کے نقصان وہ ہونے کی وضاحت فرمائی گئی ہے لہذا نقصان سے بچنے کے لئے ان کی رائے کے خلاف چلنا چاہیے۔ اسی طرح اس کے بعد موصوف علیہ الرحمہ امام ابن لال و امام دیلمی کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لَا يَفْعَلَنَّ أَحَدُكُمْ أَمْرًا تَمَّ مِنْهُ سِوَى شَخْصٍ كَوْنِي أَهْمَ حَتَّى يَسْتَشِيرَ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ كَامِ مَشُورَةٍ كَيْفَ يَكُونُ شَيْءٌ مِّنْ يَسْتَشِيرُ فَلْيَسْتَشِرْ امْرَأَةً پہلے جس سے مشورہ لے تو کسی عورت



ثُمَّ لِيَخْلِفَهَا خَلَّافٌ فِي حِلِّهَا  
الْبَرَكَةُ  
(فيض القدير ج ۶ ص ۳۵۶) کہنے میں برکت ہے۔

وہ حدیث جس میں ہے کہ جو قوم عورتوں کو اپنے معاملات سونپے گی اور ان کی رائے کو اہمیت دے کر اس پر عمل کرے گی وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی اسے مسند امام احمد کے جلد ۵ ص ۵ پر روایت کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اسے بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب المغازی و کتاب الفتن، ترمذی نے کتاب الفتن اور نسائی نے کتاب القضاء میں روایت کیا ہے۔ البتہ نسائی امور جہرہ و دوا سے پوشیدہ ہوتے ہیں ان میں عورتوں سے رائے لی جائے گی اس حد تک ان سے مشورہ جواز بلکہ ضروری ہے۔

سوال ۱۔ کیا از روئے اسلام حق رائے دہی پر کوئی پابندی عامہ کی جاسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب :- رائے دہی ہر شخص کا حق نہیں ہے یہ مغربی جمہوریت میں حق رائے دہی کا تصور ہے یہ قطعاً اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام میں ایسی رائے دہی کا کوئی تصور نہیں اور نہ ہی رائے کا ہر حق ہر ایک کو دیا جاسکتا ہے بلکہ رائے دہی اہل علم و اہل رائے ہی کے شایان شان ہے وہی مشورہ دے سکتے ہیں اور انہی کی رائے، رائے کہلانے کے قابل بھی ہے چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ رائے ان سے طلب کرو۔ جو اہل علم و عقل مند ہوں اور خدا اور رسول کے فرمانبردار ہوں۔

چنانچہ تفسیر و منشور میں ہے کہ امام خطیب بغدادی علیہ الرحمہ نے موعظ امام مالک علیہ الرحمہ کے رِوَاۃ میں تخریج کی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ

”آپ کے بعد ہمیں اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس میں قرآن سے بظاہر کوئی حل نہ مل سکے تو اس وقت ہم کیا کریں آپ نے فرمایا اجتمعوا العباد من امتی واجعلوہ بیئکم شورى ولا تقصصوا بیئى و اجدی یعنی میری امت کے عبادت گزار (پابندگان صوم و صلوة اہل علم و فضل، حضرات کو جمع کر کے ان سے باہم مشورہ لینا اور ایک آدمی کی رائے پر فیصلہ نہ کرنا“ (تفسیر و منشور ج ۶ ص ۱۰۰)

علامہ شروانی و علامہ عبادی شرح منہاج امام نووی امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ کے حواشی میں فرماتے ہیں انّ المصتبر هو بیعت اہل الحل والمقدم من العلماء والرقساء ووجوہ الناس (ج ۹ ص ۹۰) کہ اس سلسلے میں اہل حل و عقد یعنی علماء کرام و اہل دانش و دین رئیسوں اور راہنماؤں کی رائے ہی معتبر ہے۔ عامۃ الناس کی نہیں۔

امام ماوردی و امام ابو یعلیٰ نے رائے دینے والوں کی تین شرطیں لکھی ہیں  
۱۔ العدالة کہ وہ صاحب عدالت ہوں عدالت سے مراد یہ ہے کہ وہ اہل شہادت ہوں اور اہل شہادت وہ ہیں



جو فرائض و واجبات (نخواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد) کے پابند اور محرمات سے بچتے ہوں اور جن کی نیکیاں ان کی خطاؤں پر غالب ہوں جیسا کہ ہم نے شرح مجد عدلیہ کے حوالے سے اس سے پہلے عرض کیا ہے۔

۲۔ ان کو اس قدر دین کا علم ہو کہ وہ اسلامی نقطہ نظر سے مملکت کے لئے سربراہ کا صحیح انتخاب کر سکیں۔

۳۔ صاحب بصیرت اور سوچ بوجھ رکھنے والے ہوں۔

(الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۱ والا حکام السلطانیہ ابو بعلی ص ۱۹)  
لہذا ایسے حضرات سے رائے لی جائے گی اور ایسے حضرات کو اسمبلی کا ممبر یا جائے گا اور ایسے ہی حضرات کا تقرر کیا جائے گا اور ان کے اوصاف مذکورہ کے اعتبار سے تقرر کا حق سربراہ مملکت کو ہے۔ عامۃ الناس ان نزاکتوں اور مصلحتوں سے واقف نہیں ہوتے لہذا ان کی رائے کی ضرورت نہیں۔ اسی نوعیت کی پابندی رائے عامہ پر لگائی جائے گی۔

سوال ۵۔ اور ص ۱۱ کا جواب بھی اسی تشریح میں آگیا ہے۔

سوال۔ رئیس مملکت کا طریقہ انتخاب کیا ہوگا؟

الجواب :- پہلا طریقہ :- ملک کے سربراہ کا سب سے بہتر طریقہ وہی طریقہ ہے جس سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا کہ ملک کے مجبور اہل حل و عقد یعنی علماء و صلحاء و دانشور و دین دار امر و نہی و سار جو مسلمانوں اور اسلام کے سچے خیر خواہ ہیں اتفاق و رضامندی سے کسی ایسے شخص

اد پر کے تین طریقوں سے مختلف ہو امیر و سربراہ بن جاتے۔ ضرورت و فتنہ سے بچنے کو اسے بھی حکمران تسلیم کیا جائے گا۔ عبدالملک بن مروان و خلفاء عباسیہ کے خلاف فتنوں و حکومتوں کا معرض و جمہور میں آنا اسی طریقہ سے ہوا۔ اس وقت کے علماء و صلحاء نے فتنہ سے بچنے کے لئے انہیں سربراہ مملکت تسلیم کیا اور حتی الامکان ان کی کوتاہیوں پر انہیں ٹوکتے بھی رہے۔ (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو شرح منہاج مع حواشی شرفانی و عبادی ص ۹۵ ص ۶/۷ و تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۷ و فتاویٰ ثنائی ج ۱ ص ۵۴ و احکام سلطانیہ ابو بعلی ص ۲۱/۲۲/۲۳/۲۴/۲۵ و احکام سلطانیہ ابو بعلی ص ۲ تا ص ۱۱ و شرح المقاصد سعد الدین التفازانی ج ۲ ص ۲ تا ص ۲۷)



## اسلامی ریاست کی غرض و غایت اور اس کے مقاصد

اسلامی ریاست کے مقاصد حسب ذیل ہونا کرتے ہیں۔

۱۔ روتے زمین پر دینی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہونے کی حیثیت سے، خلافت و نیابت کا فریضہ انجام دینا۔  
۲۔ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ دین، دین اسلام کی اشاعت اور اس کا احکام و استحکام۔

۳۔ ریاست کے باشندوں کے لئے امن و سکون اور بے فکر و بے خوفی



کو اپنے ملک کا سربراہ مقرر کر دیں جس میں سربراہی کے وہ اوصاف موجود ہوں جو احکامِ سلطانیہ کے متفقین علماء و اسلاف نے ارشاد فرمائے ہیں۔

۲. دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو پہلے سے سربراہِ مملکت چلا آ رہا ہو جس کی اسلام سے محبت و دیانت اور امانت مسلم مردہ اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایسے شخص کو جو اسلام سے والہانہ محبت رکھتا ہو اسلامی احکام و آداب پر عمل پیرا ہو، مسلمانوں کا سچا خیر خواہ اور اسلام کے تقاضوں پر عمل کرنے میں نڈر ہو اپنا جانشین اور سربراہِ مملکت مقرر کرے جیسا کہ سیدنا عمر فاروق کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا۔

۳. تیسرا طریقہ یہ ہے کہ سربراہِ اسلام و مسلمین رئیسِ مملکت کچھ ایسے افراد پر مشتمل ایک جماعت متعین و منتخب کرے۔ جن کی دیانت و امانت اور اسلام پر عمل پیرا ہونے کی صفت مسلم دشمنوں اور وہ علوم و دینیہ و قرآن و سنت کے علوم سے باخبر و باعمل ہوں۔ یہ مجلس شورٰی کہلاتے گی ان کے ذمہ لگائے کہ وہ اپنے مشورہ سے اپنے میں سے سب سے بہتر و برتر کو سربراہِ مملکت بنائیں۔ جیسا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتخاب حکم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمل میں آیا کہ **مَا وَدَّكَ لِأَخِيَّاتِهِ إِلَّا عَنِ مَشُورَةٍ**۔ ان تینوں طریقوں سے مملکت اسلامیہ کا سربراہ منتخب ہو سکتا ہے یہ سب کچھ مشورہ سے ہوگا۔

۴. چوتھا طریقہ مملکت کے سربراہ کے انتخاب کا تو نہیں البتہ استیلاؤ و تغلب کا کہلاتا ہے یعنی اہلِ حل و عقد کی رائے کے بغیر کوئی شخص غلبہ قوت سے سربراہ بن بیٹھے۔ ذاتی اثر و رسوم یا فوجی قوت یا کسی دوسرے طریقے سے جو

کی زندگی بسر کرنے کے مواقع و اسباب فراہم کرنا جس کے درج ذیل کوائف ہیں (ا) معاش و روزگار کے مواقع سب کے لئے برابر مہیا ہوں تاکہ ہر شخص اپنی مالی و جسمانی و فکری صلاحیت کے مطابق معاشی اعتبار سے ترقی کر کے کسی حد تک معاشرہ کے ساتھ ساتھ چل سکے۔

(ب) کمزوروں اور بے روزگاروں کی ضروریات کا انتظام کرنا چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ اگر دریلے فرات کے کنارہ پر بھوک سے ایک اونٹ بھی ہلاک ہوا تو عمر خدا تعالیٰ کے ہاں اس کا بھی جواب دہ ہوگا (تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۷۸)

(ج) منصفوں، راہزنیوں اور بدتماشوں سے اسلام کے تعزیری نظام کے مطابق نمٹنا اور انہیں حدود و قصاص کے نظام اسلام کی سیسوں میں جکڑنا۔

۴. نماز کی اقامت کا اخلاقی و قانونی اعتبار سے، مسلمانانِ مملکت کو پابند کرنا۔

۵. معاشی فلاح و بہبود کو عمل میں لانے کے لئے زکوٰۃ کا نظام اپنانا۔

۶. باشندگانِ مملکت کی اخلاقی تربیت اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کرنا۔ اس سلسلے میں ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کو بھرپور استعمال کرنا۔



۱۔ عدل و انصاف کا سلسلہ اس طرح قائم کرنا کہ ظالم کو ظلم کا مزہ چکھانے کے لئے مظلوم کو جانی و مالی طور پر کوئی خطرہ لاحق نہ ہو اور انصاف سستا ہی نہیں مفت میسر آئے۔ یہ ساتوں مقاصد قرآن کی سورۃ نور کی آیت ۵۵ سورۃ حج کی آیت ۱۸ اور سورۃ الحديد کی آیت ۲۵ سے لئے گئے ہیں۔

۲۔ بالغ راستے دہی

اس کے بارے میں ہم شروع میں بسط و تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔

۳۔ دوڑ دڑاتے دہندگان کی عمر

دوڑکے لئے بالغ ہونے کی شرط ہونی چاہیے اور بلوغ کی عمر بارہ سال سے ۱۵ سال ہے۔ آخری حد ۱۵ سال ہے اس عمر میں بہر صورت لڑکے کو بالغ تصور کیا جائے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے اِذَا تَمَّ لِلْعَلَامِ وَالْجَارِيَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَقَدْ بَلَغَا (ج ۲ ص ۳۵۵) کہ لڑکے اور لڑکی عمر کے پندرہ سال جب پورے ہو جائیں تو وہ بالغ ہو گئے۔ کافی میں ہے کہ یہی مفتی بقول ہے ورنہ امام صاحب علیہ الرحمہ سے اٹھارہ سال کی بھی روایت ہے اگر حکومت کے نزدیک کوئی مصلحت ملحوظ ہو تو وہ پندرہ کی بجائے اٹھارہ حتیٰ کہ پچیس سال کی شرط بھی لگا سکتی ہے۔

۴۔ عورتوں کا حق راستے دہی

اس پر بھی ہم شرح و بسط سے عرض کر چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں

۵۔ غیر مسلموں کا حق راستے دہی

اس کی تفصیل بحث بھی گذر چکی ہے۔

۶۔ مجلس شوریٰ کی حیثیت

مجلس شوریٰ جب ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اس کے اہل ہوں تو اس کی حیثیت ایک اساسی ادارہ کی بن جاتی ہے جو قانونی و مہموری و شرعی اعتبار سے ملکی و ملی و شرعی فیصلوں کی بنیاد قرار پاتا ہے جس سے کوئی سربراہ مملکت بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَشَاوْهُمْ فِي مَا تَأْمُرُونَ کہ درپیش معاملہ میں مشورہ کیا کیجئے۔ تقریباً تمام مفسرین اپنی تفاسیر میں آمد دین متین سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وحی الہی سے فیصلے کرتے تھے یہ مطابق و ما یُنطق عن المحوی ان ہوا لا وحی صوحی۔

۷۔ وہ ذہن جس کی ہر بات وحی خدا

چشمہ علم و حکمت پر لاکھوں سلام

اس کے باوجود آپ کو مشورہ لینے کا حکم دینا تعلیم امت کے لئے تھا۔

چنانچہ سیدنا امام حسن بصری و امام ضحاک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

وَأَمَّا أَنْ يُعْلِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى النَّجْوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

مَا فِي الْمَشُورَةِ مِنَ الْفَضْلِ وَالْقُدْرَةِ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَمَشُورَةِ كُنْهِ كَا حُكْمٍ دِيَا

بِهِ أَمْتُهُ مِنْ بَعْدِهِ وَرَأْسُ اس کی مراد یہ ہے کہ مسلمانوں

کو مشورہ کی اہمیت کی تعلیم دی جائے (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۲۵۰)

اور یہ کہ آپ کے بعد آپ کی امت

مشورہ کے عمل میں آپ کی پیروی کیے



لَئِنْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ بِحُكْمِ قُرْآنٍ مُشَوَّرَةٍ لَيُنْفِرْ مِنْكُمْ  
قَرَارِ پایا۔ لہذا مجلس شوریٰ کا وجود بھی ضروری ٹھہرا اور اس سے مشورہ لینا ضروری  
قرار پایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ شَاوَرَ  
بَيْنَهُمْ۔ کہ ان کے کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں  
چنانچہ تفسیر البحر المحیط میں ہے۔

الشوری من قواعد الشریعة یعنی مشورہ لینا، شریعت اور اس  
وعزائم الاحکام من لای کے احکام کی بنیاد اور اہم چیز ہے جو  
یستشیر اہل العلم والدين سربراہ مملکت اہل علم و اہل دین (علماء)  
فکر لہ واجب ہذا مالا کرام سے مشورہ نہ لے لے سربراہی  
خلاف فیہ وقد مدح الله سے الگ کرنا واجب ہے۔ اس میں  
المؤمنین بقولہ وامرہم کسی کا اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے  
شوری بینہم۔ مسلمانوں کی تعریف کی ہے کہ ان کے

(البحر المحیط ج ۲ ص ۹۹) کام باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست کے معاملات شوری پر مبنی ہوتے  
ہیں اور یہ کہ شوری اہل علم و علماء کرام سے ہوگا اور یہ کہ شوری سے بے نیاز  
سربراہ کا سربراہی سے معزول کر دینا واجب و ضروری ہے۔ بشرطیکہ اسے معزول  
کرنے سے ملک و ملت کے فتنہ و فساد میں واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

امام قرطبی علیہ الرحمہ تفسیر قرطبی میں فرماتے ہیں کہ

واجب علی الولایۃ مشاورۃ سربراہان مملکت اسلامیہ پر واجب

العلماء فیما لا یعلمون ہے کہ وہ دینی معاملات میں جنہیں وہ  
وفیما اشکل علیہم من امور خود نہ جانتے ہیں اور جو انہیں مشکل  
الدین و وجوہ الجیش فیما پیش آئے علماء کرام سے مشورہ لیں اور  
یتعلق بالحب و وجوہ الناس جنگی معاملات میں فوجی سربراہوں اور  
فیما یتعلق بالمصالح و وجوہ ملکی مصلحتوں میں ملک کے سربراہ اور وہ  
الکتاب والوزراء والعمال حضرات اور شہری و قریبی معاملات  
فیما یتعلق بمصالح البلاد میں گورنروں، وزیروں اور وائسرائروں  
وعمارتہا۔ (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۹۹) پیشواؤں سے مشورہ لیں۔

اس میں بھی واضح کر دیا کہ سربراہان اسلامی ممالک پر فرض ہے کہ وہ  
متعلقہ مسائل کے سلسلے میں ان کے ماہرین سے مشورہ لیں۔ اسلامی، فقہی  
اور شرعی مسائل میں علماء کرام سے، جنگی معاملات میں فوج کے جرنیلوں سے،  
ملکی مصالح و فلاح و بہبود کے سلسلے میں، تجربہ کار اہل علم و دانش سے اور  
شہری و قریبی مصلحتوں کے سلسلے میں وزیروں اور گورنروں سے مشورہ  
لیا کریں۔

## اختلاف رائے

مجلس شوریٰ میں جب کوئی بات زیر بحث آئے اگر بالاتفاق طے ہو جائے  
تو بہتر ہے اور اگر رائے کا اختلاف ہو جس طرف دلائل بھر پور اور وزنی ہوں  
اس پر عمل کیا جائے اور اگر دلائل میں توازن برابر ہو تو پھر جس طرف اکثر ہوں



اسی کو اختیار کیا جائے اور اگر تعداد میں برابری یا اس کے قریب ہوں تو سربراہ کو اپنی صوابدید پر عمل کرنا چاہیے اور اس میں یہ بات بنیادی طور پر ملحوظ رہے کہ جو مسئلہ قرآن و سنت و اجماع سلف سے طے شدہ ہے اس پر شوریٰ کو بحث کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ سنن دارمی میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو آپ کتاب الہی سے اس کا حل تلاش کرتے اور اس کے مطابق فیصلہ دیتے اگر اس میں آپ کے کوئی حل نہ ملتا تو جَعَلَ رُفُوسَ النَّاسِ وَخِيَارَهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَاذَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ جَلِيَ امِيرٌ قَضَى بِهِ (سنن دارمی ج ۱ ص ۵۲/۵۴) یعنی لوگوں (دینی پیشواؤں) (علماء صحابہ) کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے تو جب کسی مسئلہ پر ان کا اتفاق ہو جاتا تو آپ اسی پر حکم جاری کر دیتے۔

### الناس علماء ہی ہیں | ہم نے ان سے (آدمیوں یا لوگوں) کا زبردست علاقہ

کیا ہے کیونکہ دراصل علماء ہی الناس (آدمی) ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ  
لَوْ بَعِثَ عَلَى النَّاسِ الْوَلَدُ بَغِيٌّ أَوْ دُمِيٌّ أَوْ زَيْدٌ أَوْ قِيٌّ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ أَحَدٌ يَكْفُرُ بِمَا رَأَى مِنْهُمْ إِلَّا بِمَا رَأَى مِنْهُمْ  
وَالْوَلَدُ بَغِيٌّ أَوْ دُمِيٌّ أَوْ زَيْدٌ أَوْ قِيٌّ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ أَحَدٌ يَكْفُرُ بِمَا رَأَى مِنْهُمْ إِلَّا بِمَا رَأَى مِنْهُمْ  
(جمع الزوائد ج ۵ ص ۲۳)

حضرت حجت الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبداللہ بن مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ  
سئل ابن المبارک عن الناس فقال امام عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا گیا کہ الناس العلماء۔ (آدمیوں کے کیا مراد ہے؟) فرمایا "علماء"

(آخیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۰۰ طبع مکتبہ)

اس کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں کہ

(ترجمہ) امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مشاگرد و شیعہ امام عبداللہ بن مبارک نے اسے آدمی نگاہی نہیں جو عالم نہ ہو کیونکہ انسان اور چوپائے میں علم ہی کا فرق ہے۔ انسان کی عظمت طاقتور جسم سے نہیں کیونکہ اونٹ اس سے زیادہ طاقتور ہے بڑی جسامت سے نہیں کیونکہ ہاتھی کی جسامت اس سے بڑی ہے۔ بہادری سے نہیں کیونکہ شیر اس سے زیادہ بہادر ہے، زیادہ خوراک سے نہیں کیونکہ بیل کی خوراک اس سے زیادہ ہے، شہوت کی وجہ سے نہیں کیونکہ چڑ سے میں اس سے زیادہ شہوت ہے اور آدمی تو علم کے لئے بنایا گیا ہے اور اسی اس کی عظمت ہے گویا جس نے علم حاصل کیا اس نے آدمیت کی غلت نہ پائی اس لئے وہ آدمی ہی شمار نہ ہوگا۔

اسی دارمی میں اگلی حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن و سنت سے نہ ملے تو خلیفہ فضیل بن عیاض سے یا صالح بن قیس سے یا اس سے پیشتر کے صالحین (علماء کرام) کے کئے ہوئے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۵۴)

اس کے بعد کی حدیث میں ہے کہ

فَان لَمْ يَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي مَا رَأَى مِنْهُمْ إِلَّا بِمَا رَأَى مِنْهُمْ  
فَان لَمْ يَكُنْ فِي مَا رَأَى مِنْهُمْ إِلَّا بِمَا رَأَى مِنْهُمْ  
اگر تم متعلقہ مسئلہ کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہ پاؤ مسلمانوں کے (علماء کرام) اجماع کے مطابق عمل کرو پھر اگر اس میں مسلمانوں کا



علیہ المسلمون فاجتہد کوئی اجتماع نہیں پایا جاتا تو اپنی  
برائیک داری ۹ ص ۵۵ (اے مشورہ) کے مطابق عمل کرو۔  
اس حدیث سے اور اس سے گزشتہ حدیثوں سے واضح ہو گیا کہ اسمبلی ہو یا  
شوری اسے کسی ایسے حکم پر سوچنے کی ضرورت نہیں جو قرآن و حدیث و اجماع  
امت سے ہے۔ اہل قرآن و حدیث و اجماع کے بعد مشورہ ہونا چاہیے۔

## شرائط اہلیت مجلس شوریٰ

چونکہ شوریٰ ہی کے لوگ ملکی نظم و نسق کا ذمہ دار ہوتے ہیں اور وہی  
مشورہ دینے اور ملکی نظم و نسق کے سلسلے میں جواب دہ و مجاز و مختار ہوتے  
ہیں جب کہ ان کے مشوروں کو سربراہ مملکت شرعی تقاضوں کی روشنی میں اہمیت  
دیتے اور انہیں عملی جامہ پہناتے ہوں۔ اس لئے احکام سلطانیہ میں ارکان شوریٰ  
کو اہل اختیار کہا جاتا ہے اور اس لئے بھی وہ اہل اختیار کہلاتے ہیں کہ ایک سربراہ  
کے بعد دوسرے سربراہ کے تقرر کا بھی ان کو اختیار ہوتا ہے۔ تو اہل اختیار کے  
شرائط میں امام ماوردی و امام ابو یعلیٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

واما اهل الاختیار یعنی اہل اختیار (ارکان شوریٰ)  
فالشرط المعتبرۃ خبہم کی اہلیت کے سلسلے میں تین باتیں  
شائستہ (۱۹/۶) شرط ہیں۔

اس کے بعد ان کی تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں

۱۔ ایک تہیہ صاحب عدالت ہوں یعنی صاحبین ہوں (اور عدالت  
کے بارے میں ہم شرح مجلہ کے حوالہ سے پہلے لکھ چکے ہیں)۔  
۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس قدر علم دین اور شعور رکھتے ہوں جس  
سے ان کو ایک دینی و اسلامی ریاست کے سربراہ کی اہلیت و صلاحیت و  
استحقاق کا معیار معلوم ہو۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ علم دین و شعور قوی رکھنے کے ساتھ صاحب  
دائے اور صاحب بصیرت ہوں تاکہ وہ سربراہ مملکت کے انتخاب و تقرر میں  
کسی تغافل و تساہل کا شکار نہ ہوں اور اس کے بعد ملکی و ملی امور کے بارے  
میں بے دھڑک اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ (ملاحظہ ہو احکام سلطانیہ  
ماوردی ص ۱۹ و ابو یعلیٰ ص ۱۹)

## پارٹی سسٹم اور انتخابات

اسلامی نقطہ نظر سے پارٹی سسٹم کی بنیاد پر انتخابات کا کوئی تصور  
نہیں یہ برطانوی اور غیر اسلامی طرز انتخاب ہے اس پر شروع میں بسط سے  
روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

## ایک ایوانی مقننہ یا دو ایوانی مقننہ

اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ و عدالتی شوریٰ و پارلیمنٹ ہوتی ہے اس



میں ایران بالا و ایوان زیریں (پارلیمنٹ و سینٹ) کا کوئی قانون نہیں ہے۔ جب شوریٰ صحیح و مخلص و محب وطن و علوم شرعیہ سے باخبر و باعمل ہو تو اس کاٹے کردہ فیصلہ صدر مملکت، خلیفہ وقت یا امیر المؤمنین کی تفسیر سے نافذ ہو جاتا ہے۔ یہی وحدانی ایوان ہی کافی ہے۔ اس میں زیریں اور بالا کی تفریق کا کوئی قانون نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔

### شرائط اہلیت صد

سرباہ مملکت یا مسلمانوں کے امیر و خلیفہ کی اہلیت کے سلسلے میں شرح مواقع و شرح مقاصد میں سات امور شرط قرار دیتے گئے ہیں۔  
اول۔ یہ کہ وہ مسلمان ہو اور پاکستان میں بالخصوص اس ملک کی اکثریت کا ہم مسلک ہو یعنی جو اہل سنت حنفی فکر کا حامل ہو۔  
دوم۔ یہ کہ عاقل و بالغ ہو۔

سوم۔ یہ کہ سننے دیکھنے اور بولنے میں صحیح و سلامت ہو۔  
چہارم۔ یہ کہ شجاعت و بہادری کی صفت سے متصف ہو اور صاحب ہمت و جرات ہو اور غیور و ہوشیار ہو۔  
پنجم۔ یہ کہ مرد ہو۔ عورت نہ ہو جیسا کہ ہم اس سے پیشتر احادیث کے حوالوں میں نقل کر چکے ہیں کہ جن قوم نے اپنے امور سلطنت عورت کے ہاتھ دے دیئے وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی۔

ششم۔ یہ کہ وہ دل و امین ہو کہ مملکت کے عہدے اور منصب کی تفویض کسی سفارش و راج کی نہیں اہلیت و صلاحیت کی بنیاد پر کرے کیونکہ مادلوں کو منصب سونپنا خیانت ہے اور خدا و رسول سے بے وفائی بھی۔  
ہفتم۔ یہ کہ وہ عالم دین و متقی اور صاحب وجاہت و اخلاق حسنہ کا مالک ہو۔ و زادہ بسطة فی الفلح والجسم (بقرہ) کا مصداق ہو (شرح مواقع ج ۸ ص ۲۴۹/۲۵۰) و شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۴۲/۲۴۳) اور یہ وہ شرائط ہیں جن میں کسی کو اختلاف نہیں جب کہ شرح مواقع میں ہے۔  
شرح معتبرۃ فی الاعامة بالاجماع (ج ۸ ص ۳۵) یعنی یہ تو متفق علیہ شرطیں ہیں جن کے بغیر اسلامی مملکت کا خلیفہ و امیر اپنے منصب کا اہل ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کے قریشی ہونے میں اہل سنت وغیرہ کا اختلاف ہے تاہم جب ان شرائط کا جامع قریشی نہ ہو تو غیر قریشی بھی ہو سکتا ہے۔

### صد کا انتخاب براہ راست یا بالواسطہ

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب براہ راست اہل حل و عقد کے ذریعے عمل میں آیا اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب بالواسطہ عمل میں آیا لہذا دونوں صورتیں درست ہیں مکی حالات و مصالح کے تحت جسے قابل ترجیح تصور کریں اس پر عمل فرمائیں۔



## شرائط نمائندگان

نمائندگی کے لئے شرائط کا تجویز کرنا اور خصوصیات کا طے کرنا ضروری ہے ظاہر ہے کہ کم از کم مسلمان، عاقل و بالغ اور اہل شہادت ہونے کے ساتھ اس قدر علم و فضل رکھتا ہو کہ نمائندگی کا حق ادا کر سکے۔ اہل شہادت کے بارے میں دہی بات ملحوظ رہے جو صاحب عدالت کے بارے میں لکھی جا چکی ہے کہ وہ فرائض و واجبات کا پابند اور محرکات شرعیہ سے اجتناب کرتا ہو اور اس کا مبلغ علم اس قدر ہو کہ احکام شرعیہ و ملکی مصالح میں مدلل طریقے سے رائے کا اظہار کر سکے یہ لوگ یعنی نمائندگان اسلامی احکام سلطانہ کی رو سے اہل اختیار کہلاتے ہیں اور اہل اختیار کے سلسلے میں ضروری امور اس سے قبل لکھے جا چکے ہیں۔

## شرائط رائے دہندگان

شرائط رائے دہندگان میں بنیادی جز اسلام ہے اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور اخلاقی اعتبار سے مستحیثیت کا مالک ہونا اس سلسلے میں اگر ایک ایک گھر کا ایک ایک نمائندہ رائے دینے کے لئے تجویز کیا جائے جب بھی کافی ہے عورتوں اور اس کے لڑکوں کی جوان کی کفالت میں ہیں رائے لینے کی ضرورت

نہیں۔ چنانچہ امام عظام محدث شہیر ابو محمد عبداللہ المعروف ابن ابی جرہ اندلسی علیہ الرحمہ متوفی ۶۹۹ھ جمع النہای فی بدر الخیر والفاہ شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں  
فبیعة الرجال بیعة  
یعنی مردوں کا ووٹ ہی ان  
عنہم وعن من تحت ایلانہم  
کی اپنی اور ان کی طرف سے جو عمریں  
من النساء والعیاد  
غلام اور بچے ان کی کفالت میں ہیں  
والصبيان (ج ۱ ص ۳۲)  
سب کی طرف سے کافی ہے۔

لہذا یہ صورت بھی جائز ہے کہ ہر گھر میں سے ایک مسلمان، عاقل و بالغ صوم و صلوٰۃ کا پابند، اچھے اخلاق والا سب گھر والوں عورتوں، لڑکوں اور خادموں کی طرف سے نمائندگی کرے اور رائے کا اظہار کرے اگر صوم و صلوٰۃ کا پابند اور مسلمہ اخلاقی حسن والا نہ ہو تو اس گھر کے کو ان کی اپنی کمزوری کی بنا پر اور عدم اہمیت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جائے اور اس سلسلے میں نماز کی پابندی کا سرٹیفکیٹ متعلقہ مسجد کے امام خطیب سے لیا جائے جس پر اس شخص کے گھر کے آس پاس کے دو نمازیوں کے دستخط و تصدیق تائید بھی ہوں اور اخلاقی شرافت و دیانت و امانت کے حامل ہونے کا سرٹیفکیٹ متعلقہ تھانہ کے ایس ایچ او سے منسلک کر اگر دونوں سرٹیفکیٹ مع تعلیمی سند ایکشن کمیشن کے ہاں جمع کرائے اور وہ اس کے دوڑ ہونے کی تصدیق میں اسے ایک سرٹیفکیٹ دے اور وہ ووٹ دیتے وقت اسے پیش کر کے ووٹ ڈالے اور اپنا حق رائے استعمال کرے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے ان جملہ خرابیوں کا سد باب ہو جاتا ہے جو عام انتخابات کے نتیجے میں پیدا ہو کر ملک و ملتہ تھانہ سے سبوتا کا سرٹیفکیٹ ہو گا کہ اسکے خلاف تھانہ میں کوئی افواہی ذمیت کا مقدمہ درج نہیں ہوا۔



ملت کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔

## نمائندگان کی عمر

اس میں مدت ہونے یعنی پندرہ دواٹھارہ سال اور اس سے زیادہ مزید شعور کے حاصل کے لئے پچیس سال کی شرط عائد کی جاسکتی ہے جیسا کہ ہم اس سے قبل عرض کر چکے ہیں۔

## جداگانہ انتخاب

غیر مسلم اقلیتوں کو اس بات کا اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی فلاح و بہبود کے سلسلے میں کسی ایک شخص کا انتخاب کریں اور حکومت اسلامیہ اسی کو ان کا وزیر بنا دے جس کا مسلمانوں کی کسی بات سے تعلق نہ ہوں تاکہ کسی غیر مسلم کا مسلم پر تسلط لازم نہ آئے۔ مگر وہ مسلمانوں کی نمائندگی میں دوٹ نہیں دے سکتے کہ وہ اس کا حق ہی نہیں رکھتے جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے۔

## انتخابی کالج (علاقہ واری پیشہ وارانہ حلقہ رائج)

پیشہ وارانہ نمائندہ انتخابات میں لوگوں میں پیشہ وارانہ تعصبات کے پیدا

ہونے کا امکان ہوگا اس لئے اس کی بجائے علاقہ واری لحاظ سے حلقہ انتخاب متعین کرنا مناسب ہوگا۔ البتہ صدر مملکت کو اختیار ہے کہ وہ بعض اہم پیشوں کے ماہرین میں سے اپنا وزیر اور متعلقہ پیشوں کا مشیر مقرر کر دے۔ جیسا کہ بعض ممالک میں غیر منتخب نمائندوں کے علاوہ نامزد نمائندوں کے ایک حد تک صدر مملکت کو اختیار ہوتا ہے ویسے کہا جاسکتا ہے اسلام تو مکمل شوری کے نامزد کرنے کا بھی سراہ مملکت کو اختیار دیتا ہے لہذا جزدی نامزدگی کیونکر قابل اعتراض ہو سکتی ہے۔

## کیا صدر شوری کے فیصلوں کا پابند ہوگا؟

صدر مملکت کتاب وسنت اور اجماع امت کے فیصلوں کا تو قطعی پابند ہے اس سے انحراف ہرگز نہیں کر سکتا البتہ کتاب وسنت و اجماع امت کے بعد اجتہادی اور مشورہ طلب مسائل میں اسے شوری کے اس فیصلہ کا پابند ہونا بھی ضروری ہے جو شوری میں بہ اتفاق رائے طے پائے اور اختلاف رائے کی صورت میں وہ کسی ایک رائے کا پابند نہیں دونوں آراء میں سے جو رائے اس کے نزدیک دلائل کی روشنی میں زیادہ دقیق و قرین مصلحت ہو اسے اختیار کرے بہر صورت اجتہادی و متنازعہ فیہا امور میں اس پر کسی رائے کی پابندی ضروری نہیں۔ البتہ زیادہ دلائل سے مدلل رائے کا عمل میں لانا اس کے لئے بہتر ضرور ہے۔



## صدقہ کا انتخاب ایک مخصوص مدت کے لئے ہو گیا تا حیات

اسلام میں منتخب یا منتخب کا نامزد کردہ جانشین سربراہ مملکت تا حیات ملک کا سربراہ ہوگا۔ اس کے لئے کوئی مدت معین نہیں ہوتی جب تک وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند، احکام اسلام کا نفاذ کرنے والا اور اسلامی اقدار کو فروغ دینے والا ہے۔ ملک کا سربراہ ہے اس وقت تک وہ سربراہ رہے گا اور اس کی جائز امور میں اطاعت و اتباع واجب ہوگی۔ بلاوجہ شرعی سربراہ مملکت کو اس کے منصب سے الگ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے شرعی وجہ کے بغیر اسے الگ کرنے کی کوشش کی تو وہ الگ نہیں ہوگا۔

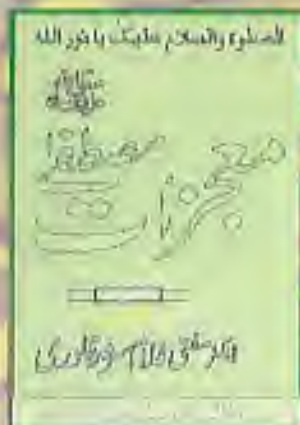
چنانچہ شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

ولايجوز خلع الامام  
بلا سبب ولو اخلعوه  
لعينفند (ج ۲ ص ۲۷۲)

یعنی شرعی وجہ کے بغیر سربراہ  
مملکت کو معزول کرنا جائز نہیں اگر  
لوگوں نے کر بھی دیا تو ان کا یہ فیصلہ  
نافذ نہ ہوگا۔



# شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری کی دیگر تصانیف



Distribute by SAW Publisher 0300-4826678 0321-4059491

